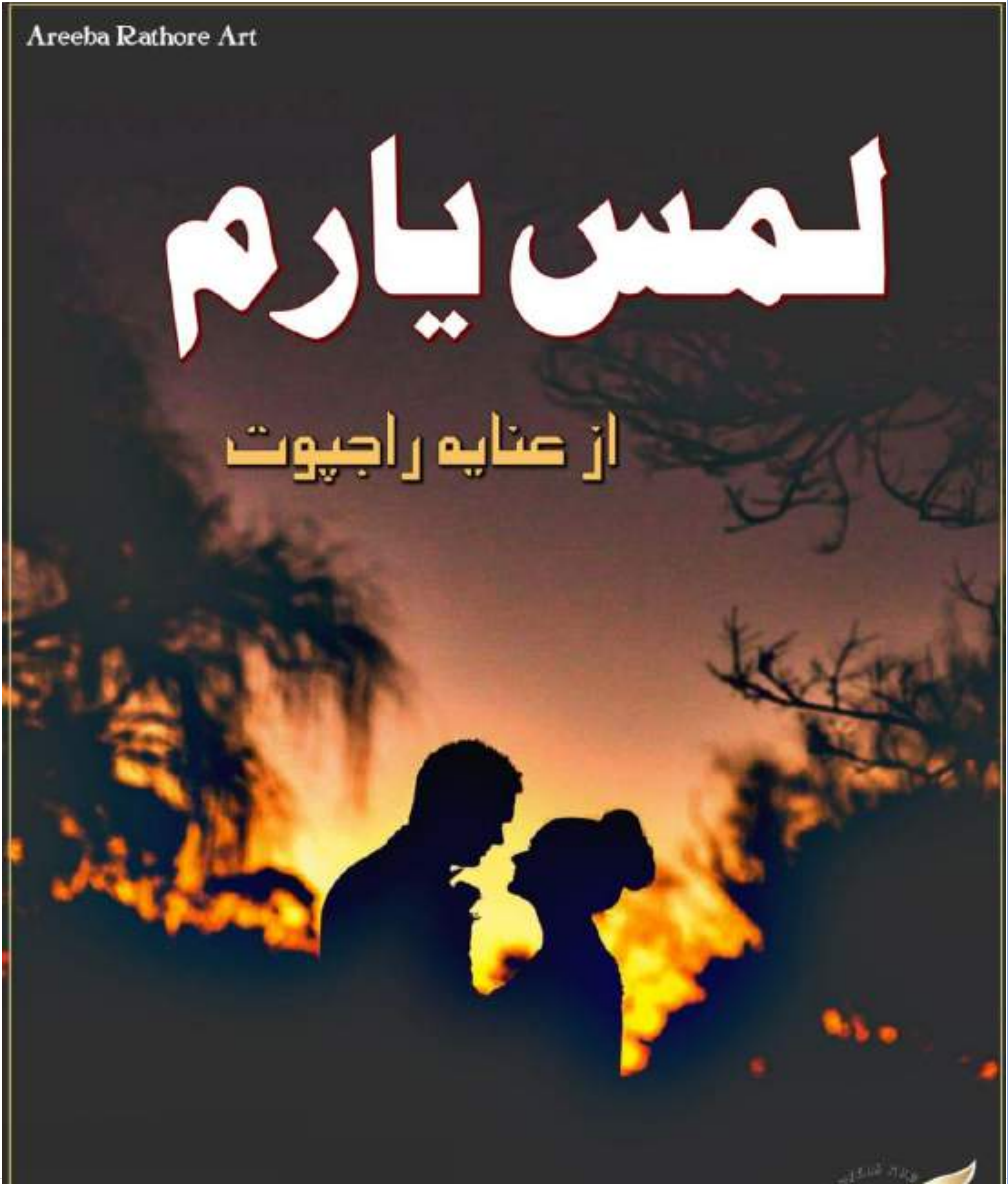
Areeba Rathore Art
لمس یارم
از عنایہ راجپوت

ناول

لمسِ یارم

مصنفہ

عنایہ راجپوت

لمس یارم

از قلم عنایہ راجپوت

اس کہانی میں بہت سے کِردار ہیں جن کا تعارف ضروری ہے۔

پہلی فیملی ہے وحید صاحب کی جن کی بیگم زمرد وحید ہیں اور اُن کو چار بچوں سے نوازا گیا۔

عفان وحید جو کہ آرمی میں ہیں۔

عون وحید جو کہ ابھی پڑھائی کر رہے ہیں

زہرہ وحید جو پڑھائی مکمل کر چکی ہیں

اور دعا وحید جو کہ میڈیکل کی سٹوڈنٹ ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس گھر میں ایک وجود ہے ماہرہ یوسف کا جنکے والدین کا انتقال ہو گیا ہے۔

دوسری فیملی ہے اویس یوسف زئی کی جن کی بیوی ہیں یمامہ یوسف زئی۔ ان کو دو بیٹیوں وریشہ اور ژالے جبکہ ایک بیٹے حیدر سے نوازا گیا۔۔

آخری فیملی ہے سجاول میر کی جو اپنے والدین کے اکلوتے ہیں۔۔ باقی کچھ کردار مخفی ہیں جنھیں وقت کے ساتھ ساتھ واضح کر دیا جائے گا۔۔

کہانی میں ایک اور کردار بھی تھا مرحا فاطمہ کا جن کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ وحید صاحب کی سگی بہن کی بیٹی ہیں۔

....

سورج ڈھل جانے کی تیاریوں میں تھا اور آسمان پر بادلوں کا بسیرا ہمیشہ کی طرح حسین نظارہ دِکھا رہا تھا۔ اُسے ہمیشہ سے ایسے منظر بھاتے تھے۔ وہ تو نِظاروں کا دیوانہ تھا۔ اُس کی آنکھوں میں حسین سے حسین منظر قید تھا۔ وہ دنیا جہاں میں گھوم چُکا تھا۔ سدا کا سر پھِرا، گہری کالی آنکھیں، اونچا قد، سانولی رنگت۔۔ وہ ایک پُر کشِش شخص تھا جس کی آنکھیں دوسرے کو خود کے سحر میں جکڑ لینے کی سکت رکھتی تھیں مگر اس کا دِل نا جانے کیوں آج

تک کسی پر نہیں آیا تھا۔ وہ اُکتا جاتا تھا، وہ نا چاہتے ہوئے بھی ایک انسان سے زیادہ بات نہیں کر پاتا تھا۔

"بھائی اُٹھ گئے ہیں تو آ جائیں ماما بُلا رہی ہیں آپ کو"

ہلکی سی دستک کے بعد دروازہ کھُلا اور اس کی بہن وریشہ یوسف زئی کی آواز پر وہ پلٹا تھا۔

"آ رہا ہوں" ہمیشہ کی طرح دو لفظی جواب کے بعد وہ خاموش ہو گیا تھا۔

وہ نیچے آیا تو یمامہ یوسف زئی اُسے دیکھ کر مسکرائیں۔

"کب آئے تھے آپ رات میں؟"

یمامہ کے کہنے ہر حیدر نے کالی آنکھوں میں بسی سرد مہری کو پیچھے دھکیلا۔

"تین بجے" حیدر کے جواب دینے سے پہلے ہی اویس یوسف زئی بول اُٹھے تھے جن کی آواز سن کر حیدر کی آنکھوں میں دوبارہ سرد مہری بسی تھی۔

"غلط۔۔۔ میں تین بج کر پندرہ منٹ پر آیا تھا"

ڈھٹائی سے جواب پر اویس صاحب جل کر رہ گئے تھے۔

"اور اب بھی میں باہر ہی جا رہا ہوں رات کو لیٹ آؤں گا یا ہو سکتا ہے آؤں ہی نا"

حیدر کی مزید گوہر افشانی پر اویس صاحب نے یمامہ کی طرف دیکھا جس پر ان کی آنکھوں میں پریشانی در آئی تھی۔

"صرف تمہاری ڈھیل کی وجہ سے بِگڑا ہے یہ"

حیدر کے واک آؤٹ کرنے پر اویس صاحب کی اونچی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔وہ اپنے قدم واپس موڑتا اندر آیا تھا۔

"میری ماں سے اونچی آواز میں بات کرنے کی ہمت آئندہ مت کیجیے گا اویس صاحب۔۔میں یہ بات پہلی اور آخری دفعہ بہت آرام سے کہہ رہا ہوں"

اس کے سرد الفاظ اویس یوسف زئی کو طنزیہ مسکرانے پر مجبور کر گئے تھے۔

"اب تم مجھے سِکھاؤ گے کہ کِس سے کیسے بات کرنی ہے؟" اویس صاحب نے طنزاً کہا تھا۔

"ہاں! کیونکہ جب بڑے اخلاقیات بھول جائیں تو چھوٹوں کو ہی سمجھداری سے کام لینا پڑتا"

حیدر کے وار پر ہمامہ بیگم نے آنکھیں زور سے میچی تھیں۔

بائیس سال سے وہ باپ اور بیٹے کی بے وجہ جنگ میں پِس رہی تھیں۔

حیدر وہاں سے جا چُکا تھا جبکہ اویس صاحب وہیں خاموش سے بیٹھے تھے۔

....

وہ آج پھر روٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ کسی اور سے نہیں بلکہ اپنے ہی گھر والوں سے، سبب یہ تھا کہ محترمہ کو ٹرِپ پر جانے نہیں دیا جا رہا تھا اور وہ بھوک ہڑتال کیے اپنے کمرے میں موجود جہازی سائز بیڈ کے نیچے چھُپ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

کمرے میں داخل ہوں تو کمرہ اس کے بچپن کے زوق کی اعلیٰ مِثال تھا۔ کمرے میں بتیس اِنچ کی ایل۔ای۔ڈی لگی ہوئی تھی جس کے آس پاس کی دیواروں پر اس لڑکی کی لارج سائز تصویر لگی ہوئی تھی۔ وہ حسین نہیں تھی مگر پُر کشِش تھی۔

"دعا کیا بچپنا ہے یہ؟ تم کیوں ہر بات پر ضد کرتی ہو؟"

زمرد بیگم کے کمرے میں آنے پر وہ مزید چھُپ سی گئی تھی۔

"مجھے کسی سے کوئی بھی بات نہیں کرنی۔"

چند لفظوں میں بات مکمل کرتی وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔

"دعا! ناران کاغان یہاں ہی نہیں رکھا۔ ہم کیسے تمہیں دوسروں کے حوالے کر دیں دس دِنوں کے لیے۔۔ سمجھنے کی کوشِش کرو"

زمرد بیگم کے سمجھانے والے انداز پر وہ مزید چڑِ گئی تھی۔

....

وہ گھر میں داخِل ہوئی تو اِک عجیب سی خاموشی تھی۔

اُسے لاؤنج میں آتا دیکھ کر زہرہ نے اس کے سلام کا جواب دیا جبکہ عفان جو کہ کسی کال پر بزی تھا مائرہ کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتا بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔

وہ اس وقت بغیر دوپٹے کے فقط قمیض شلوار پر اوور آل (ڈاکٹرز کوٹ) پہنے کھڑی تھی۔

گھنگریالے بال پونی میں مقید تھے جبکہ سانولا رنگ اُسے پُرکشش بناتا تھا۔

"کوئی مسئلہ ہوا ہے کیا؟" زہرہ سے سوال کرتے وہ عفان کو مکمل نظر انداز کر گئی تھی۔

"دعا کا ٹرپ جا رہا ہے ناران کاغان اور اماں اُسے جانے نہیں دے رہیں۔۔"

زہرہ نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرائی۔

"میں بات کرتی ہوں۔"

وہ اپنا بیگ اور فون وہیں رکھتی کمرے کی جانب بڑھی۔

سلام کرنے کے بعد وہ بھی زمرد بیگم اور دعا کے پاس آ بیٹھی۔

"جانے دیں نا تائی ماں، کبھی کبھی تو موقع ملتا ہے دوستوں کے ساتھ جانے کا"

دعا کی روئی روئی شکل دیکھ کر اس سے رہا نا گیا اور پھر لاکھ کوششوں کے بعد وہ مان ہی گئی تھیں وہ بھی اس شرط پر کہ دعا ہر وقت اُن سے رابطے میں رہے گی یہ جانے بغیر کہ دعا کا رابطہ کہاں اور کِس سے ہونے والا ہے۔۔

....

"عون وحید آپ کو ایک بات سمجھ کیوں نہیں آتی؟ میں نجانے کب سے ایک ہی ٹاپِک سمجھا رہی ہوں مگر آپ کا دھیان ہی نہیں ہے"

وہ اپنے سے دو سال بڑی ٹیچر کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"تو آپ کیوں اپنا وقت ضائع کر رہی ہیں؟ جیئیں اور مجھے جینے دیں نا"

ہنوز ڈھٹائی سے کہتے اس نے چوئنگم منہ میں ڈالی تھی۔

"عون "غصے سے پکارا گیا تھا۔

"جی جانِ عون "چند لفظوں میں کہتا وہ اُسکی جان نِکال گیا تھا جبکہ مِرحا کا جی چاہا تھا کہ وہ اُس دو نمبر آدمی کی تین نمبر ٹھرک پر اُسے جہنم واصِل کر دے۔

"میں ممانی کو بتاؤں گی عون کہ۔۔۔"

وہ اُٹھ کر جاتے ہوئے کہہ رہی تھی جب اچانک عون نے اُس کی کلائی اپنے ہاتھ میں پکڑی تھی۔

"کیا کہیں گی مِرحا؟"

اُسکی آنکھوں نے سوال کِیا تھا جبکہ عون کی آنکھوں میں موجود آباد جہاں کو دیکھنے کی غلطی مِرحا نہیں کر سکتی تھی۔

"چھوڑو میرا ہاتھ۔۔میری زندگی پہلے ہی بہت مشکل ہے عون! مزید مت بناؤ"

بے بسی سے اپناہاتھ چھڑواتے اُس نے فاصلہ بنایا تھاجس پر عون نے ناچاہتے ہوئے بھی فاصلے کا احترام کِیا تھا۔

"میں اِس زندگی کو ہی حسین بنانا چاہتا ہوں۔"

عون نے چھپے لفظوں میں اپنا اِظہار واضح کِیا تھا جس پر مِرحا استہزائیہ ہنسی تھی۔

"گھوڑوں پر بیٹھ کر امیر شہزادے صرف خوبصورت شہزادیوں کے لیے ہی آتے ہیں عون وحید۔۔ ہم جیسی غریب گھرانوں کی لڑکیاں بس بیاہ کر فرض ادا کرنے کے لیے ہوتی ہیں"

بہت تلخ لفظ مگر نرم لہجے میں کہتی وہ وہاں سے جاچُکی تھی جبکہ عون اُس کے الفاظ کی تلخی محسوس کرتا وہیں زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

....

آج پھر وہ اپنی حویلی آیا تھا۔ وہ ہی حویلی جہاں اس نے اپنا سب کچھ کھویا تھا، اسی حویلی جہاں اس کی زندگی کی خوشیوں نے اس سے منہ موڑا تھا۔ وہ نجانے کیوں آج بھی مجبور ہو کر چلا آیا تھا صرف اور صرف اپنی دادی سائیں کی خاطر۔۔

ایک وہ ہی تو تھیں جِنھوں نے آج تک اُسے بغیر کسی مطلب کے پیار کِیا تھا اور ایک طرف اس کے والدین تھے جنھیں آج تک یہ بھی خبر نہ تھی کہ ان کا بیٹا کس غم یا خوشی میں ہے، کیا اس نے کھانا بھی کھایا ہے یا نہیں؟

انھیں صرف پرواہ تھی تو خود کے سٹینڈرڈز کی۔

وہ اپنی مخصوص چال چلتا حویلی میں داخل ہوا تھا۔ سامنے ہی لاؤنج میں ایک بڑی سی محفل کا سماں تھا۔ مختلف لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے جبکہ اس کے والدین بھی نئے طرز کو ظاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف تھے۔

اس کی حال میں انٹری تقریباً غیر متوقع تھی۔ ہمیشہ کی طرح سیاہ لباس میں مصروف وہ براؤن شال اوڑھے، چہرے پر سنجیدگی سجائے سب کو بری طرح سے اِگنور کرتا دادی سائیں کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

پیچھے کئی آوازوں نے اس کا پیچھا کِیا تھا جن میں کچھ آوازیں یہ تھیں کہ "یہ سجاول میر" ہے نا؟

وہ کمرے میں داخل ہوا تو دادی سائیں ہمیشہ کی طرح تسبیح کرتے کرتے سو گئی تھیں۔ اس نے پیار سے اُن کے پیروں پر ہاتھ رکھا جس پر وہ بند آنکھوں سے بھی مسکرائی تھیں۔

"میرا پتر آگیا؟" پیار سے کہتیں وہ نہال ہوئی تھیں۔

"آپ بُلائیں اور میں نہ آؤں ایسا کبھی ہوا ہے کیا؟" پیار سے جواب دیا گیا تھا۔۔

"وہ کیسی ہے سجاول؟" ہمیشہ کی طرح وہی سوال کِیا گیا تھا جس پر اس کی آنکھوں میں نمی اُتر آتی تھی۔

"میرا اُن سے رابطہ نہیں ہے دادی سائیں"

قسمت کی تلخی کو لہجے میں سموتے اُس نے کہا تھا جس پر دادی سائیں بھی اُداس سی ہوئی تھیں۔

"پُتر صبر کرنا اگر اِتنا مشکِل نہ ہوتا تو میرا رب کیونکر صبر پر اتنا اجر رکھتا؟ کیا تمہیں اس پر یقین نہیں ہے؟ اپنی مانگی دعاؤں پر یقین کرنا سیکھو سجاول، بے شک وہ سُنتا ہے اور وہ سُنے گا"

دادی سائیں کے لفظوں نے ہمیشہ کی طرح اُسے حوصلہ دیا تھا مگر وہ ہار جاتا تھا۔۔ اکثر خود سے لڑتے لڑتے وہ ہار جاتا تھا۔

....

سچ ہے کہ دِل تو دُکھا ہے
ہم نے مگر سوچا ہے
دل کو ہے غم کیوں؟
آنکھ ہے نم کیوں؟
ہونا ہی تھا، جو ہوا ہے۔۔

آج بھی رات اُس کی یوں ہی آنکھوں میں گزر گئی تھی۔ وہ پچھلی کئی راتوں کی طرح آج بھی ساری رات جاگی تھی ہاں مگر یہ شے مختلف تھی کہ آج کی رات وہ روئی نہیں تھی بلکہ اپنے آنسوؤں کو اندر ہی اندر جزب کِیا تھا یہ جانے بغیر کہ جو آنسو آنکھ سے باہر نہیں آتے وہ دِل پر ِگرتے ہیں۔

"آپ آج کی رات بھی جاگی ہیں؟"

مائرہ کمرے میں داخل ہوئی تو اُسے کھڑکی کے پاس کھڑے دیکھ کر بولی۔

"اُس نے کہا تھا کہ اگر میں کبھی دِن میں نہ آؤں تو رات میں میرا انتظار کرنا۔ اگر میں سوئی ہوتی تو وہ واپس چلا جاتا۔ اس لیے میں جاگتی رہی مگر وہ نہیں آیا"

پژمردگی سے کہتی وہ آخر میں تلخ ہوئی۔

"اُنھوں نے اگر آنا ہوتا تو وہ جاتے ہی نا"

زہرہ کی باتوں کا زہر وہ اپنے نرم لہجے سے زائل کرتی بولی تھی۔

"آئیں ناشتہ بناتے ہیں"

وہ دھیان بٹانے کی غرض سے اسکا ہاتھ تھامتی اُسے نیچے لے آئی۔

" بھئی دیکھو ذرا جا کر دعا کو۔۔ آج اس نے جانا ہے مگر ابھی بھی سوئی ہی ہو گی۔ اس لڑکی کی نیند سے میں بے حد تنگ ہوں۔۔ نجانے کب سُدھرے گی"

وہ نیچے آئی تو زمرد بیگم توقع کے عین مطابق اُسے ڈانٹنے کی مکمل تیاری کر رہی تھیں۔

"بھئی تیار ہوں میں اماں" دعا کی آواز پر سب نے اُسے دیکھا جو کہ جینز پر چھوٹی سی فراک پہنے، لمبے بال کھولے سامنے کھڑی تھی۔ وہ لوگ شروع سے ایسے ہی تھے، بیٹیوں پر بے جا سختی نہیں کرتے تھے۔

"جاؤ عون بہن کو یونیورسٹی ڈراپ کر کے آؤ"

وحید صاحب کی بات پر عون سر ہلاتا گاڑی کی چابیاں لینے بڑھا تھا۔

"نہ اماں ژالے آ رہی ہیں۔ ان کے ساتھ ہی جاؤں گی"

اس کی بات پر سب راضی ہو گئے کہ اچانک بیل بجی۔ وہ سب سے مِل کر باہر کی جانب بڑھی تھی جب اچانک اسے سیاہ گاڑی میں وہ نظر آیا تھا۔

گاڑی سے نکل کر ژالے اس کے گلے مِلی تھی جبکہ اس کی گاڑی میں موجود شخص کو دیکھ کر عون حیران ہوا تھا۔

دعا گاڑی میں بیٹھی تو گاڑی زن سے بھگا دی گئی مگر کون جانے یہ آغازِ حیرت ہے۔۔ ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے۔

....

عون واپس آیا تو اس کے چہرے پر تفکر کے تاثرات دیکھ کر عفان پریشان ہوا تھا۔ اس نے اپنا فون اُٹھا کر اُسے میسج کیا تھا۔

"سب ٹھیک ہے عون؟" میسج لکھ کر اس نے بغور عون کو دیکھا تھا۔

"بھائی وہ باہر یوسف زئی ہاؤس کا صاحب زادہ دعا کو لے کر گیا ہے۔"

عون نے میسج ٹائپ کیا تھا جسے پڑھ کر عفان نے بھنویں اُچکائی تھیں۔ وہ اُٹھ کر کمرے میں آیا اور مخصوص نمبر مِلایا جہاں سے فوراً ہی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"بڑی دیر کر دی کال کرنے میں آفیسر صاحب؟" طنزیہ لہجے میں کہا گیا تھا۔

"میری بہن کہاں ہے؟" عفان نے سیدھا سوال کیا تھا جس پر حیدر کا قہقہہ سنائی دیا تھا۔

" بھیجتے وقت یاد نہیں تھا کہ کہاں بھیج رہے ہو؟" ہمیشہ کی طرح طنزیہ جواب موصول ہوا تھا۔

"تم اپنی فضول بکواس کب تک جاری رکھو گے؟"

حیدر کے فضول سوالات سے تنگ آکر اس نے چِڑ کر کہا تو کمرے کے دروازے سے اندر آتے وجود کو دیکھ کر عفان کی زبان بند ہوئی تھی۔

"چائے بھیجی ہے تائی ماں نے۔"

پہلے کی نسبت آج نرم لہجے میں کہتی وہ نجانے کتنے عرصے بعد اس کے کمرے میں آئی تھی۔

"ہاں شکریہ"

اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے اس نے قدرے نرم لہجے میں کہا جبکہ فون پر موجود حیدر مسکرایا تھا۔

"سنا ہے کافی عرصے بعد آئی ہیں بھابی تمہارے کمرے کو اپنے قدموں کا شرف بخشنے"

حیدر کی بکواس سننے کے بعد بغیر کچھ کہے وہ کال کاٹ گیا تھا جبکہ ماہرہ جو کمرے سے باہر جانے لگی تھی عفان کی آواز پر رُکی تھی۔

"ماہرہ۔۔" نجانے کِس احساس کے تحت اس نے ماہرہ کو روکنا چاہا تھا۔

وہ رُکی بھی تھی مگر اس نے پیچھے کی جانب مڑ کر ہر گز نہیں دیکھا تھا۔

"ماہرہ یوسف" ایک لمحہ کے لیے رک کر جتانے کے انداز میں کہتی وہ مُڑی تھی۔

"میں بہت کچھ کہہ دینے کا حق رکھتا ہوں۔"

اس کے جتاتے انداز پر بہت نرم انداز میں کہتا وہ ماہرہ کو نظریں جھکانے پر مجبور کر گیا تھا۔

"آپ کے پاس موجود ہر حق کو بہت جلد واپس لے لے گی ماہرہ یوسف۔۔"

وہ بغیر اسکی آنکھوں میں جھانکے یہ کہہ کر جاچکی تھی جبکہ اس کے الفاظ کی تلخی محسوس کرتا وہ مسکرایا تھا۔

....

وہ ناران کاغان پہنچ گئے تھے۔ یہاں ضرورت سے زیادہ ٹھنڈ تھی اور وہ تو ہمیشہ سے اس موسم کی دیوانی رہی تھی۔ اتنا لمبا سفر طے کر کے سب ہی تھک کر اپنے اپنے کمروں میں مقید تھے اور وہ تھی کہ اس قدر یخ بستہ ہواؤں کو محسوس کرتی ہوٹل کے باہر بنے چھوٹے مگر پیارے سے گراؤنڈ میں بیٹھی اِن دِل افروز لمحوں کو محسوس کر رہی تھی جب اچانک فون کی گھنٹی بجی تھی۔

انجانے نمبر سے آتی کال کو اگنور کرتی وہ دوبارہ سے آسمان کو دیکھنے لگی۔ دوبارہ سے بجتے فون کو دیکھ کر چِڑ کر اس نے کال پِک کی تھی۔

"السلام و علیکم"

بدلحاظی کا سوچتے ہوئے بھی وہ بدلحاظ نہیں بن سکی تھی۔

"وعلیکم السلام"

جانی پہچانی آواز کو محسوس کرتے اس نے آگے کچھ نہ کہا تھا۔

"دعا"

ناجانے کس انداز میں حیدر نے اسے پکارا تھا۔وہ ناچاہتے ہوئے بھی اس کی آواز کو سننا چاہتی تھی۔

"کہیے"

خاموشی کو توڑتے اس نے کہا تھا۔

"میری بہن فون نہیں اُٹھارہیں۔بات کروادیں اُن سے"

ہمیشہ کی طرح بدلحاظی سے سارارِدھم توڑتے وہ کام کی بات پر آیا تھاجبکہ دعاخود کی بے اختیاری پر جی بھر کر بدمزہ ہوئی تھی۔

"ابھی میں کمرے میں نہیں ہوں جب جاؤں گی کروادوں گی بات آپ کی"

یہ کہہ کر وہ فون کھٹاک سے بند کر گئی تھی جبکہ حیدر اس کے انداز پر مسکرایا تھا۔اُن دونوں بہن بھائیوں کا جینا حرام کرنا حیدر پر فرض تھا۔اس نے گھڑی پر وقت دیکھا جو ایک کا ہندسہ بجا رہی تھی اور مخصوص نمبر ملایا تھا۔

"ہیلو"

بھاری آواز میں کہا گیا تھا جبکہ آگے سے کسی کی نیند میں ڈوبی آواز پر وہ جی بھر کر بد مزہ ہوا تھا۔

"عثمان صاحب سنا ہے کہ آپ ہمارے گھر کی بچیوں کو انکی مکمل حفاظت کرنے کا کہہ کر لے کر گ ئے ہیں"

کسی کی اِس درجہ سرد آواز پر عثمان صاحب کی نیند اُڑی تھی۔

"دعا و حیدر رات کے اس وقت باہر بیٹھی ہیں اگر ان کو کچھ ہو جاتا ہے تو کون زمہ داری لے گا؟"

حیدر کے کھُردرے انداز پر عثمان صاحب اسے تسلی دے کر کال کاٹتے نیچے کی جانب بڑھے تھے۔

وہ نیچے آئے تو دعا کو بیٹھا دیکھ کر اس کی جانب بڑھے تھے۔

"دعا بچے"

ان کی آواز پر دعا پلٹی تھی۔

"جی سر؟

سوالیہ انداز میں پوچھا گیا تھا۔

"بیٹا آپ رات کے اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں۔۔ آپ ہماری زمہ داری ہیں۔۔ اگر ابھی آپ کو کچھ ہو جاتا تو؟"

دعا کو سمجھانے کے سے انداز میں کہتے وہ الجھے ہوئے تھے۔

"جی میں بس اندر جا ہی رہی تھی"

دعا اندر کی جانب بڑھی تھی۔

"وہ تو شکر ہے کہ حیدر صاحب نے مجھے کال کر دی ورنہ اگر کچھ ہو جاتا تو میں کیا جواب دیتا۔۔"

عثمان صاحب نے یہ کہتے ہوئے بھی جھرجھری لی تھی جبکہ دعا ایک مرتبہ پھر سے اس شخص کا نام سن کر آگ بگولا ہوئی تھی۔

کمرے میں پہنچی تو ثژا لے لحاف اوڑھے سوئی ہوئی تھی جبکہ دعا نے اسے دیکھ کر اس کے بھائی حیدر کو یاد کر کے دِل ہی دِل میں سو باتیں سنائی تھیں۔

اب کی بار جب دعا نے حیدر کا نمبر ملایا تو وہ آف جا رہا تھا پھر وہ تلملاتی سو گئی تھی یہ جانے بغیر کہ جو شخص آج اس کی بے سکونی کا سبب ہے درِ حقیقت وہ ہی اُس کے حد درجے سکون کا سبب ہو گا۔

....

آسمانوں پر بادل جمع ہوتے دیکھ کر وہ دعاؤں میں مشغول ہو گئی تھی۔ نا جانے کیوں ایک بار پھر سے اُسے اپنے بابا سخت یاد آئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر ثمرہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"کیا ہوا ہے مِرحا؟ کیوں پریشان ہو؟"

اپنی اماں کی آواز پر اس نے آنکھیں صاف کی تھیں۔

"چھت کو دیکھیں اب اگر بارش ہوئی تو دوبارہ سے پانی آنا شروع ہو جائے گا۔ ہم سوئیں گے کیسے اماں؟"

پریشانی سے کہتی وہ خستہ حال چھت کو دیکھ رہی تھی جو کبھی بھی ٹوٹنے کے کو تیار تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا پریشان نہ ہو"

اس کی اماں نے اُسے تسلی دیتے کہا تھا۔

"کیا ہو گیا بھئی کس چیز کی پریشانی ہے؟"

آخری بات کو سنتے ہوئے ہی عون اندر داخل ہوا تھا جِسے دیکھ کر ثمرہ بیگم مسکرائی تھیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ عون جو کہ ان کے لیے کچھ سامان لایا تھا وہ وہاں رکھ کر اس لڑکی کو دیکھنے لگا جو وقت سے پہلے کافی بڑی لگنے لگی تھی۔

"پھپو یہ کچھ سامان لایا تھا میں گھر کے لیے"

شاپر انھیں پکڑاتے وہ وہیں بِچھی چھوٹی سی چٹائی پر بیٹھ گیا تھا جبکہ مِرحا اُسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ وہ اپنے گھر کا شہزادہ جس کے کپڑے بھی ایسے ہوتے کہ لوگ دیکھ کر عش عش

کرتے, وہ جو جوتے بھی میچینگ پہنتا تھا, جس کے ہاتھ میں ہر وقت مہنگی گھڑی رہتی, جس کا فون اچھا خاصہ مہنگا تھا وہ کیسے اُس کے گھر میں اُس ہی کی طرح بیٹھ جاتا تھا۔

"مجھے دیکھنے کا شوق پورا ہو گیا ہو تو میری بات کا جواب بھی دے دیں"

میٹھے لفظوں میں وہ اُسے چھیڑ کر اس کی بے ساختگی پر اُسے شرمندہ کر گیا تھا۔

"مجھے ایسے کوئی عجیب شوق لاحق نہیں ہیں۔ خوش فہمیوں میں جینا چھوڑ دو۔" وہ وہاں سے اُٹھ کر جانے لگی تھی جب عون نے اس کی کلائی کو مظبوط گرفت میں لیا تھا۔

"عون یہ حرکت مت کیا کرو"

عون کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ ہٹاتی وہ اُسے گھور کر بولی تھی۔

"پھر مجھے بتاؤ کہ کیا پریشانی ہے؟"

عون مدعے پر آیا تھا۔

"پتا نہیں"

وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس کے بابا کے جانے کے بعد زندگی کتنی تکلیف دہ ہوگئی تھی, وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ جب جب وہ نوکری کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھاتی ہے تو دنیا کیسے اپنی غلیظ نظروں سے اُسے چیر کر رکھ دیتی ہے مگر وہ کہہ نہ سکی تھی۔ عون کے پہلے ہی بہت احسانات تھے اب وہ کیوں کر مزید شرمندہ ہوتی۔

....۔

وہ حویلی سے واپس آیا تو فلیٹ میں رُکنا اس نے زیادہ مناسِب سمجھا۔

مسلسل بجتی کال نے اس کا جینا حرام کِیا ہوا تھا۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی اُٹھ بیٹھا تھا۔

"بکو کیا تکلیف ہے؟"

ولی کی آواز سنتے اس نے بدلحاظی سے کہا تھا۔

"تمیز سے بات کرنا نہیں سیکھا کبھی؟"

ولی نے ہنستے ہوئے اُسے مزید چھیڑا تھا۔

"نہیں"

یک لفظی جواب پر ولی نفی میں سر ہلاتا اصل بات بتاتا فون بند کر گیا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ گاڑی نکال کر مال کی جانب بڑھا تھا یہ جانے بغیر کہ وہاں کیسا طوفان اس کا منتظر ہے۔

دوسری جانب زہرہ کچھ خریداری کی غرض سے ڈالمن مال میں داخل ہوئی تھی۔

مال میں ناجانے کیوں عجیب سی وحشت تھی یا زہرہ کو خود محسوس ہوئی تھی۔

"زہرہ کیا ہوا ہے بیٹا طبیعت ٹھیک ہے نا؟ اتنا پسینہ کیوں آرہا ہے؟"

زمرد بیگم اس کی حالت کی پیشِ نظر بولیں۔

"پتا نہیں ماما, عجیب سی گھٹن فیل ہو رہی ہے۔"

وہ اُسے لیے کیفے کی جانب بڑھی تھیں اور ایک کرسی پر بِٹھایا تھا۔

زہرہ چہرے سے نقاب اُٹھاتی اِس سے پہلے ہی وہ دشمنِ جان سامنے بیٹھا کسی بات پر مسکراتا نظر آیا تھا۔

وہ آج ناجانے کتنے وقت بعد اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہی شان, وہی خوبصورتی, وہی آنکھوں میں غرور وہی چمک۔ یہ وہ چہرہ تھا جِسے اُس نے بھُلانا تو دور کی بات پل پل اس چہرے کو حِفظ کِیا تھا۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں اس نے اس دشمنِ جان کی فقط ایک جھلک کو اور جو آنسو

سالوں سے اس کی آنکھ میں مُقید تھے وہ آج اُس شخص کی ایک جھلک کے بعد آنکھ سے رواں ہونا شروع ہوئے تھے۔ وہ سب کچھ بھول کر فقط رو رہی تھی۔ اور ہجر تو بس عاشِق کے حِصے میں ہی آتا ہے نا محبوب تو جا بجا اپنا سحر بِکھیرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

"زہرہ یہ لو پانی پیو"

زمرد بیگم نے پانی کی بوتل اس کو تھمائی تھی جب ان کی نظر اس کی سرخ آنکھوں پر پڑی۔ اس نے چہرہ موڑتے بس آنسو صاف کیے تھے اور وہاں سے جانے کے لیے کھڑی ہوئی تھی۔ اِتنے سالوں کا صبر ضائع گیا تھا۔ اس نے اُس وقت صرف ایک خواہِش کی تھی, سجاول میر کو بے حد قریب سے دیکھنے کی جو کہ پل بھر میں قبول ہوئی تھی۔

ابھی اُس نے قدم بڑھائے ہی تھے کہ اچانک گولی کی زوردار آواز گونجی تھی جس نے سب لوگوں کو اپنی جانِب متوجہ کِیا تھا جبکہ اُس ہی کے ساتھ زمرد بیگم کے لبوں سے لفظ "زہرہ" ادا ہوا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا وجود زمرد بیگم کے بازوؤں میں جھول گیا تھا۔

اپنے محبوب کا نام سنتے ہی سجاول کے دِل کو کچھ ہوا تھا اور وہ ہر شے نظر انداز کرتا اُس انجان لڑکی کی جانب بڑھا تھا۔ اس کی جانب بڑھتے ہی وہ ہجوم کو دیکھ رہا تھا جبکہ زمرد بیگم

زہرہ کا سر اپنی گود میں رکھ کر اُسے اُٹھانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ اُس کا آسمانی رنگ کا عبایا اُس ہی کے بازو سے نکلتے خون سے سُرخ ہو گیا تھا۔

زمرد بیگم نے زہرہ کے چہرے سے نقاب ہٹایا اور تب ہی سجاول میر کی نظر اُس چہرے پر پڑی تھی جبکہ اُس آشنا کا زرد چہرہ دیکھتے ہی وہ زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔ نا جانے کیسے اس میں اِتنی ہِمت ہوئی تھی کہ وہ اُس کا وجود بازوؤں میں بھر کر گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے پیروں سے جان نکلتی جا رہی تھی اور بازوؤں میں موجود وجود کی مدھم ہوتی سانسیں سجاول میر کی سانسیں کھینچ لینے کا ہنر رکھتی تھیں۔

ہاسپٹل نا جانے کیوں دور سے دور ہوتا جا رہا تھا جبکہ وہ دعا گو تھا کہ بس وہ وجود اپنی سانسیں نہ کھو دے, کہ بس زہرہ وحید کو سجاول میر کی بھی زندگی لگ جائے۔

....

تیز رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے ہاسپٹل پہنچا تھا۔ اُسے صِرف خبر تھی تو بس اپنی زہرہ کی۔

"تم جانتے ہو میری بیٹی کو؟"

اُس انجان لڑکے کی آنکھوں میں موجود ڈر اور فکر کو محسوس کرتے زمرد بیگم نے پر سکون انداز میں پوچھا تھا۔

"میں"

اور شاید پہلی مرتبہ سجاول بُرا پھنسا تھا۔

"نہیں میں کیسے جان سکتا ہوں زہرہ کو"

اپنی طرف سے فون پر دھیان لگاتے اس نے نفی میں سر ہِلاتے اِنکار کِیا تھا۔

"بیٹا میری عمر پچاس سے زیادہ ہے اور میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ کوئی بھی کبھی بھی یوں اِس طرح کسی غیر کے لیے روتا نہیں ہے اور زہرہ کا نام کیسے جانتے ہو تم؟"

سجاول کی آنکھوں میں نمی تھی اور یہ نمی بے وجہ نہیں تھی۔ اُس نے جو سفید رنگ کی شرٹ پہنی تھی اس پر زہرہ کا خون جا بجا لگا ہوا تھا۔ ڈاکٹر آپریشن تھیٹر میں موجود تھے جہاں وہ لڑکی شاید تکلیف کی آخری حد میں تھی۔

سجاول میر کا بس چلتا تو وہ زہرہ وحید کو کانٹا بھی نہ چبھنے دیتا۔

"میں سجاول میر ہوں آنٹی"

آنکھوں کی نمی پیچھے دھکیلتے ناجانے کیوں اس نے یہ کہتے نظریں جھُکالی تھیں۔

"میں جانتی ہوں تم ہی ہو وہ جس کا ذکر وہ اپنی زبان پر وِرد کی طرح کرتی ہے, تم نے اُسے کہا تھا نا کہ تم آؤ گے؟ وہ سارا سارا دن دروازے کو دیکھتی ہے اور ساری ساری رات جاگ کر انتظار کرتی ہے"

زمرد بیگم کی بات پر اس نے آنکھوں میں جلن کو محسوس کِیا تھا۔

"میں مجبور ہوں آنٹی۔ میرے اختیار میں ہو تو اُن کا پاک وجود پل بھر کے لیے بھی خود سے دور نہ کروں"

یہ کہتے ہی وہ ڈاکٹر کی جانب بڑھا تھا جو کہ آپریشن تھیٹر سے باہر آئے تھے۔

"شکر ہے رب کا آپریشن کامیاب رہا۔ گولی اُن کے بازو میں لگی ہے جس کے سبب خون کافی بہہ گیا ہے مگر امید ہے وہ جلدی صحتیاب ہو جائیں گی۔"

ڈاکٹر کی بات پر اُن دونوں نے رب کا شکر ادا کِیا تھا۔

"محبت کرتے ہوئے مجبور نہیں تھے آپ؟ جواب مجبور ہیں؟"

ڈاکٹر کے جاتے ہی زمرد بیگم نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"وہ اذیت سہتے سہتے مر جائے گی۔ میں نے اُس پر تین سال لگا کر اُس کو سنبھالا تھا اور آج جب پھر سے تم اس کے سامنے آگ ئے ہو تو وہ مجھ سے سنبھالی نہیں جائے گی۔ وہ موت کی حدود کو چھو کر آئی ہے اُسے موت سے ڈر نہیں لگے گا"

زمرد بیگم کی آنکھوں میں نمی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو کسی کے لیے روتا اور مرتا کیسے دیکھ سکتی تھیں۔

"آنٹی میں مجبور ہوں۔ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ اگر وہ میرے ساتھ رہیں تو اُن کی جان کو خطرہ ہو گا۔"

وہ وہیں زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا جبکہ زمرد بیگم بھی حالات کے پیشِ نظر چُپ سادھ گئی تھیں۔ سب گھر والے تقریباً ہاسپٹل پہنچنے والے تھے۔ وہ حتمی فیصلہ لیتا جانے کے لیے اُٹھا تھا مگر دِل نے شدید خواہش کی تھی اس لڑکی کو صرف ایک دفعہ دیکھنے کی اور اس نے دِل کی خواہش پر عمل بھی کِیا تھا۔

"اجازت دیں صرف کچھ پل اُن کے پاس گُزار لوں۔ وہ حوش و حواس میں نہیں ہیں میری موجودگی اُنھیں تکلیف نہیں دے گی"

اس کے انداز سے صاف تکلیف ظاہر ہو رہی تھی۔

"تم نے اُسے اِس مقام پر لا کر چھوڑا ہے کہ تمہاری موجودگی بھی اس کے لیے تکلیف دہ ہے اور غیر موجودگی بھی۔۔"

زمرد بیگم سے اجازت لیتا وہ اندر کی جانب بڑھا تھا۔

آپریشن تھیٹر میں کسی بھی شخص کو جانے کی اجازت نہیں تھی مگر جب اس نے اپنا تعارف کروایا تو اُسے اجازت مل گئی تھی۔

اندر داخل ہوتے اس نے سامنے بیڈ پر پڑے بے سُدھ وجود کو دیکھا جس کا ایسے چہرہ زرد ہو رہا تھا جیسے کسی نے جسم کا سارا خون نچوڑ لِیا ہو۔ سجاول میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس لڑکی کے پاس جاتا۔ وہ دور سے کھڑا دیکھ رہا تھا مگر دل کی خواہشوں کا کیا جو بے وجہ ہوتی ہیں۔ وہ بیڈ کے پاس آیا اور اس نے بغور زہرہ کے چہرے کو دیکھا تو اُسے ایسے لگا کہ جیسے وہ صدیوں سے دُکھ جھیل رہی ہے۔

زرد چہرہ، بِکھرے بال، آنکھوں کے گِرد ہلکے، سانولا رنگ وہ تو ایسی نہیں تھی۔ زہرہ کی تو خوبصورتی ہی ایسی تھی کہ ہر کوئی اُس کی تعریف کرتا مگر اُس شخص نے اُسے کیسا بنا دیا تھا؟

"ہجر خوبصورتی کھاجاتا ہے"

اُس نے زہرہ کا ڈرپ سے جکڑا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا جب زہرہ کی پلکوں میں جنبِش ہوئی تھی۔وہ بے ہوشی میں بھی اُس کے لمس کو محسوس کر رہی تھی۔

"میری زندگی"

آنکھوں میں موجود نمی کو سجاول نے بہنے دیا تھا۔ایک آنسو ٹوٹ کر زہرہ کے بالوں میں جذب ہوا تھا اور اس نے جھک کر محبت کا پہلا لمس اس کے ماتھے پر دیا تھا۔اس کے لمس کے احساس کے پیشِ نظر زہرہ کے لبوں میں جنبش ہوئی تھی۔

"سجاول"

دھیمی آواز میں بس اس نے یہ کہا تھا جبکہ سجاول کے دل میں درد کی ٹیس اُٹھی تھی۔اس سے وہاں رُکا نہ گیا تھا اور وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔دوسری سائیڈ پر بنی کھڑکی سے سارا منظر زمرد بیگم کی آنکھوں میں حِفظ ہوا تھا۔

....

اس نے آج ڈیوٹی پر چلے جانا تھا۔ اس مرتبہ اس کی ڈیوٹی کشمیر کی سائیڈ پر لگی تھی اور زہرہ کے ساتھ ہوئے واقعے کے سبب اُسے رُکنا پڑا تھا جس کی وجہ سے وہ عجیب اُلجھن میں تھا۔ وہ گھر آیا تو مائرہ ہی تھی وہاں جس کے کسی بھی سوال کا جواب دیے بغیر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور تقریباً دس منٹ بعد واپس آیا تھا۔

"ہاسپٹل جو بھی سامان لے کر جانا ہے مجھے دے دو"

اُس کے لہجے میں نرمی کا کوئی عنصر نہ تھا اور اِس بات کی وجہ وہ نہ جان سکی تھی۔

"میں بھی جاؤں گی ساتھ"

ماہرہ کے کہنے پر عفان نفی میں سر ہلاتا کال پِک کر گیا تھا جبکہ وہ تلملا سی گئی تھی۔

"میں آپ کو کہہ رہی ہوں جاؤں گی ساتھ بس"

اس کے فون کی پرواہ کیے بغیر وہ اونچی آواز میں بولی تھی جبکہ اُس سے بات کرتے کسی افسر نے نسوانی آواز سنتے ہی خاموشی اختیار کرلی تھی۔ عفان نے اُسے آنکھیں دِکھائی تھیں جِن کا کوئی بھی اثر لیے بغیر وہ اُسے گھور رہی تھی۔

"سوری سر وہ"

عفان کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی جب اُس آفیسر نے بات کاٹی۔

"بیٹا مرد اور عورت کی ذات میں فقط مرد کا رعب ہی اچھا لگتا ہے ہاں البتہ اگر بیوی آجائے تو اِس بات میں ترمیم کی جاسکتی ہے"

عفان کو چھپے لفظوں میں وہ بہت کچھ جتاتے کال کاٹ گ ئے تھے جبکہ اُن کی بات کو سمجھ کر عفان نے اس چھٹانک بھر لڑکی کو بازو سے کھینچ کر خود کے روبرو کِیا تھا۔

"کیوں میری ذات کی دھجیاں اُڑاتی رہتی ہیں آپ؟ عزت راس نہیں آرہی آپ کو؟"

تلخ لہجے میں کِیا گیا طنز ماہرہ کو بُری طرح چبھا تھا۔

"کیونکہ آپ اِسی قابِل ہیں۔ آپ سے نفرت کرتی ہوں میں"

نم آنکھیں اپنے بازو پر سے ہٹا کر اُس نے عفان کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"درد کی شدت ابھی محسوس ہوئی ہی کب ہے تمہیں ماہرہ یوسف؟ تمہارے نزدیک سب سے ظالم ہی میں ہوں۔ ابھی تو میری جان آپ پر کوئی ظلم کیا ہی نہیں ہے"

اس کے چہرے ہر آئی گھنگریالی لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے اس نے ماہرہ کو خود کے مزید قریب کِیا تھا جب اچانک شور نے اُن کو خود کی جانب متوجہ کیا تھا۔

"ارے کیا ہو گیا میری بچی۔۔۔"

اچانک زمرد بیگم کی بہن صبا بیگم لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں جو کہ سدا سے صرف ماہرہ کی دیوانی رہی تھیں صرف اور صرف اس کی دولت کی وجہ سے۔

اُن کے آتے ہی عفان نے ماہرہ کو خود سے دور کِیا تھا جبکہ ان کو ایسے دیکھ کر ایک دفعہ تو صبا بیگم کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیلی تھیں خیر انھوں نے ایسے ظاہر کِیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"ارے کیسی ہو میری بچی؟"

زبردستی ماہرہ کو خود کے ساتھ لگاتے انھوں نے استفسار کیا تھا جبکہ ماہرہ کی شکل پر ناگواری کے تاثرات دیکھتے عفان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو احد اندر داخل ہو رہا تھا۔ عفان نے ناچاہتے ہوئے بھی ان کا استقبال کیا تھا اور انھیں ساتھ بِٹھایا جبکہ وہ کمرے میں جا چکی تھی۔

اپنے فون سے عفان کو میسج کرنے کا سوچتی وہ ادھر اُدھر چکر کاٹ رہی تھی جب اچانک دروازے سے عفان کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اُس نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔۔"

مسکین شکل بناتے اس نے عفان سے کہا تھا۔

"گھر میں مہمان آئے ہیں۔اُن کے پاس بیٹھو۔میں کچھ دیر تک آجاؤں گا"

وہ یہ کہتا جانے لگا جب ماہرہ نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"میں یہاں نہیں رُک سکتی۔۔ سمجھنے کی کوشش کریں وہ۔۔"

ادھورے جملے عفان کو الجھن میں ڈال رہے تھے۔۔

"کیا بات ہے؟"

عفان نے اسکے ہاتھ سے نرمی سے اپنا ہاتھ نکالا تھا یہ سوچ کر کہ کہیں کوئی آنہ جائے۔وہ خود پر ہر قسم کا الزام برداشت کر سکتا تھا مگر اپنے گھر کی عزت پر نہیں۔"

"وہ احد۔۔۔اس کی نظریں مجھے اریٹیٹ کرتی ہیں۔۔پلیز مجھے ساتھ لے جائیں۔۔"

موٹی موٹی آنکھوں میں گھُلتی نمی کو محسوس کرتے اس نے غصے سے احد کا چہرہ یاد کِیا تھا۔

"اچھا تیار ہو کر نیچے آؤ دس منٹ تک چلتے ہیں"

عفان کی بات گویا اس کے لیے خوشیاں بکھیر گئی تھی تب ہی وہ مسکرائی تھی۔

"چادر لے کر آنا"

سختی سے کہتا وہ نیچے چلا گیا تھا اور اسکے لیے یہ ہی کافی تھا کہ عفان اُسے پیچھے نہیں چھوڑ رہا۔۔

"اُٹھ بھی جاؤ ژالے کیا یہاں سونے آئی ہو بس؟"

وہ آدھے گھنٹے سے اُسے اُٹھا رہی تھی اور اب چِڑ کر بولی تھی جس کا ژالے پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔

"ژالے اب اگر اگلے دس منٹ میں تم نا اُٹھی تو میں سچ کہہ رہی ہوں تمہیں یہیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی اور پھر سڑتی رہنا تم۔"

اپنے تئیں وہ اُسے وارن کر چکی تھی۔

"اٹھ گئی ہوں یار"

خمار آلود آنکھیں دیکھ کر دعا کو مزید تپ چڑھی تھی۔

"بات سنو ذرا کون سا نشہ کر کے سوتی ہو؟"

دعا کی تقریباً اُس کے کان میں گھُس کر سرگوشی کرنے پر جو نیند اسے آئی تھی وہ بھی اُڑ گئی جبکہ دعا دروازے پر ہوتی دستک کی وجہ سے دروازہ کھولنے بڑھی تھی۔

"دعا آپ کو تین مرتبہ میں کہہ کر جاچُکا ہوں کہ آجائیں سر بُلا رہے ہیں"

دروازہ کھُلتے ہی اس نے تحمل سے دعا سے کہا تھا۔

"مبین بھائی ہم بس آرہے تھیں۔۔"

وہ مبین کو دیکھ کر ایک نظر ژالے کو دیکھنے لگی جو کہ پھر سے سونے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپ ایک کام کریں آپ لوگ چلے جائیں, ہم کل آپ لوگوں کے ساتھ چلے جائیں گے۔

ژالے کو غصے سے دیکھتے اس نے نرم لہجے میں مبین سے کہا تھا۔

"نہیں نہیں میں اٹھ گئی ہوں نا۔۔۔بس دو منٹ میں تیار ہو جاؤں گی"

اس کی آخری بات کا گہرا اثر ہوا تھا جس پر وہ بوکھلا کر اُٹھی جبکہ مبین اُسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ چھوٹی سی شرٹ جس کے پورے بازو اس کی کلائیوں کو چھُپا رہے تھے وہ پہنے, ساتھ

ہم رنگ فلیپر پہنے, لمبے بال جو کہ کھُلے ہوئے تھے وہ سمیٹتی وہ اُسے چھوٹی سی بچی ہی لگی تھی جبکہ وہ لمحوں میں ہی نظریں جھُکا گیا تھا۔

تقریبا دس منٹ بعد وہ لوگ نیچے آئے تھے۔ دعا تو پہلے ہی تیار تھی جبکہ ژالے نے ریڈ کلر کی لانگ شرٹ کے ساتھ جینز اور صرف ایک شال اوڑھ رکھی تھی اور دعا جو کہ سدا سے ایسے علاقوں کی دیوانی تھی نا جانے کیوں آج ویسا ہی لباس زیبِ تن کیے وہیں کی لگ رہی تھی۔

اس نے وہاں کے لوگوں کی طرح سبز رنگ کی شارٹ فراک اور ساتھ ہم رنگ فلیپر پہنا تھا, بال جو کہ پرمِنگ کیے گئے تھے اُن کو کھولے ہلکے ہلکے میک اپ میں وہ کافی پیاری لگ رہی تھی۔

"چل بھی لیا کرو ژالے, کب سے بیٹھی ہوئی ہو۔۔"

وہ سب وہاں موجود ایک بہت ہی پیارے کیفے میں آئے تھے جس کی چھتیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں ہر طرف برف ہی برف تھی۔

....

وہ لوگ ہاسپٹل کے لیے نکلے تھے جب اچانک فون پر آتی کال دیکھ کر عفان رُکا تھا۔ اس نے دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے ماہرہ تقریباً بڑی سی چادر کو سنبھالنے کی ناکام کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ اس کے دل میں آیا کہ جا کر اسکی مدد کرے مگر زمانے کی پابندیاں اس کے اور ماہرہ کے درمیان دراڑ جیسی تھیں۔ کال پِک کر کے اُس نے کال پر موجود شخص کو انتظار کا کہا جبکہ ماہرہ کو آتا دیکھ اُس نے احد کو دیکھا۔

"ماہرہ تم خالہ کی گاڑی میں چلی جاؤ۔ میں ذرا لیٹ ہو جاؤں گا"

عفان کے کہنے پر وہ جو پُر سکون سی چلتی آرہی تھی تپ اُٹھی تھی۔

"مجھے جانا ہی نہیں ہے۔۔ سامان بھجوا دیں اور اپنے ضروری کام نبٹا لیں آپ"

وہ گاڑی کے اوپر سامان رکھ کر کہتی اندر جا چکی تھی جبکہ عفان اُس پر تپنے کے بجائے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

احد کی گاڑی گھر سے نِکلی تو وہ واپس اندر آیا مگر وہ اپنا کمرہ لاک کیے بیٹھی تھی اور کمرے میں سے گانوں کی آواز آرہی تھی۔

"لاپرواہ"

اُس کو نئے اعزاز سے نواز تا وہ جا چُکا تھا جبکہ حقیقت یہ تھی کہ عفان خود لاپرواہ تھا اُس کی طرف سے اور ایسا صرف ماہرہ کو لگتا تھا۔

....

وہ لوگ نیچے آئیں تو دعا کا ڈریس دیکھ کر سب متاثر نظر آئے کیونکہ وہ بالکل اُس علاقے کے لوگوں کی طرح لگ رہی تھی۔ سب نے دعا کو ہمیشہ ماڈرن ڈریسز میں ہی دیکھا تھا تو اُس کا یہ روپ بھا رہا تھا سب کو۔

ابھی اُن کو نکلنے میں وقت تھا تب ہی ژالے نے حیدر کی آتی کال پک کی۔ ویڈیو کال کے سبب اُس نے کانوں میں ہینڈ فری لگا رکھی تھی۔

"کیسا ہے میرا بچہ؟"

ژالے سے وہ ہمیشہ پیار سے پیش آتا تھا۔

"ٹھیک ہوں، ماما کیسی ہیں اور آپ؟"

ژالے کی زندگی فقط دو لوگوں کے گِرد گھومتی تھی ایک حیدر یوسف زئی اور دوسری یمامہ یوسف زئی۔ وریشہ سے اس کی بہت کم بنتی تھی کیونکہ وریشہ اور ژالے کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا م۔ وریشہ دراصل اپنے بابا جیسی تھی مغرور، خود سر اور ضدی۔ پیاری سی ژالے اِن سب چیزوں سے کوسوں دور تھی۔

ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد حیدر کے دِل نے ایک خواہش کی تھی کہ کسی طرح وہ دشمنِ جان سامنے آجائے مگر وہ ژالے کے سامنے کہہ نہیں سکتا تھا کہ وہ دعا کو دیکھنا چاہتا ہے۔

"وہ تمہاری ایک عدد دوست تھیں، وہ کہاں ہیں؟ کہیں گُم ڈُم تو نہیں گئیں پہاڑوں میں؟"

حیدر کی بات پر ژالے مسکرائی اور کیمرہ دعا کی طرف کِیا جو مبین کی کسی بات پر کھِلکھِلا کر ہنس رہی تھی۔ حیدر نے اُسے دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ وہ کتنی حسین لگ رہی تھی اس مشرقی روپ میں۔ حیدر نے نجانے کس احساس کے تحت سکرین پر آتے منظر کا سکرین شاٹ لے لیا جبکہ ژالے کے پاس بھی یہ نوٹیفکیشن شو ہوا تھا۔

اہم اہم۔۔۔ بھیا خیر ہے نا؟" ژالے کی بات پر وہ مسکرایا۔"

خیر ہی ہے چھوٹی۔" وہ اُسے دھیان رکھنے کی تلقین کرتا کال کاٹ گیا اور وہ بھی مبین اور دعا کی طرف" بڑھ گئی تھی۔

مبین نے اُسے دیکھا تو دونوں کی نظریں مِلیں، نجانے کیوں ژالے کی ہارٹ بیٹ مِس ہوئی۔

اس نے فوراً نظریں جھکائیں تھیں۔ کون جانے کہ کب کیا ہو جائے، کون جانے کہ کب محبت اُنھیں چُن لے اور شاید محبت نے چُن بھی لیا تھا۔

....

وہ پہلے سے بہتر ہوئی تو اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ آنکھیں کھولنے سے پہلے جو تصور اس کے ذہن میں تھا، وہ سجاول میر کا تھا۔ اس نے دِل سے دعا کی تھی کہ کاش سجاول واقعی سامنے ہو مگر دل کی ہر خواہش کہاں پوری ہوتی ہے۔

آنکھیں کھولیں تو وہ کہیں نہیں تھا۔ بے بسی کے احساس سے وہ رونے لگی تھی جب اُس نے سائیڈ پر پڑے صوفے پر بیٹھی اپنی ماں کو دیکھا۔ کتنے مہینے لگے تھے اُن کو اُسے واپس اپنی زہرہ بنانے میں، کتنی محنت کی تھی اُنھوں نے۔۔ وہ کیسے یہ محنت ضائع جانے دے دیتیں۔ وہ ہر غم کو اپنی ماں کی خاطر تھوڑی سی دیر کے لیے ان کو خوش کرنے کے لیے تو بھُلا ہی سکتی تھی۔

اماں!!" اس نے ہلکی سی آواز دی جس پر زمرد بیگم فوراً اُٹھ کر اس کی جانب آئیں۔ ماں تو وہ ہوتی ہے نا جو" اپنے دو دن کے بچے کی ہلکی سی رونے کی آواز پر بھی تڑپ کر اُٹھ جاتی ہے۔

"ماں میں بالکل ٹھیک ہوں، دیکھیں۔"

آنکھوں میں موجود نمی کو پیچھے دھکیلتے اس نے ناچاہتے ہوئے بھی مسکرا کر کہا۔

تمہیں بنانے میں مجھے کئی سال لگے ہیں زہرہ۔۔اب میرا جی چاہتا ہے کہ میں سجاول کو بددُعا دوں جو"
"تمہیں محبت میں مُبتلا کر کے یوں پل پل مرنے کے لیے چھوڑ گیا ہے۔

اپنی ماں کے لبوں سے اپنے محبوب کے لیے بددُعا نکلتی دیکھ کر وہ تڑپ اُٹھی تھی۔بازو میں اٹھتی درد کی ٹیسوں کے باوجود اُس نے نم آنکھیں لیے نفی میں سر ہلایا۔

محبت تو میں نے کی تھی اماں۔اُنھوں نے تو بس دِل لگی کی تھی۔اُنھوں نے تو بس میری محبت کو سنبھال"
"کر رکھا تھا،اِس میں اُن کی کوئی غلطی نہیں۔

آج بھی محبوب کی جیت ہوئی تھی اور عاشق نے ہار کر ہر اِلزام خود کے سر لے لیا تھا۔

"!خُدا تمہیں اس کو بھول جانے کی ہمت دے زہرہ"

اپنی ماں کی دعا پر وہ تلخی سے مسکرائی۔

خُدا میری محبت تا عمر سلامت رکھے اماں،خُدا اُن کو میرے دِل کا تا عمر مکین بنائے رکھے۔یہ زخم جو" انھوں نے دیے ہیں تا عمر ناسور بن کر میرے دل میں رہیں بس،آمین۔"وہ دل میں یہ کہتی آنکھیں بند کر گئی تھی۔

وہ کب سے فون ٹرائے کر رہی تھی مگر وہ نجانے کہاں تھا جو فون بھی نہیں اُٹھا رہا تھا۔ ماہرہ جو کمرے سے دو گھنٹے بعد باہر نکلی لان کی طرف آئی تو کسی کا فون بجتا دیکھ کر وہ گیراج کی طرف آگئی۔

ہر وقت فون ہاتھ میں ہوتا ہے اور پھر بھی فون نہیں اٹھاتا یہ آدمی اور اسے دیکھو جو ہر وقت بجتا رہتا ہے۔"

اس نے فون کو ایسے گھورا جیسے وہ فون نہیں عفان ہو۔

فون پر سلطان کالنگ لکھا دیکھ کر ماہرہ کو تجسس ہوا اور اس نے نجانے کیوں فون پِک کر لیا تھا۔

" کبھی تو فون وقت اُٹھا لیا کریں۔"

نسوانی آواز سن کر ماہرہ نے فون کان سے ہٹا کر دیکھا اور مزید باتیں سننے کے لیے فون کان سے لگایا۔

اب کیا منہ میں لڈو رکھ کر بیٹھ گئے ہیں؟ بات کیوں نہیں کر رہے؟؟ یار میں مِس کر رہی ہوں آپ کو۔"

اِس انجان لڑکی کی ایسی بات پر نجانے کیوں اُسے غُصہ آیا اور وہ فون کاٹ کر اندر چلی گئی۔

حورین کی تصویر وہ فون کے وال پیپر پر لگا چُکا تھا جبکہ اُس کے کمرے کی سامنے لگی وال پر بھی حورین کی کئی تصاویر موجود تھیں جو وہ نجانے کب سے جمع کر رہا تھا۔

اچانک میسج کی رنگ ٹون پر اس نے فون کی طرف دیکھا۔ سکرین پر چمکتا نام دیکھ کر اسے دیکھنے کا اس کا ذرا بھی جی نہیں تھا۔

دوبارہ کسی کی کال آئی تو اس نے منہ بناتے کال پک کر لی تھی۔

"حیدر!!"

انجان نمبر سے کی گئی کال پر دعا کی آواز سن کر وہ اٹھ کر بیٹھ ھیا۔

"کیا ہوا ہے دعا؟"

حیدر کی آواز سن کر اسے مزید رونا آیا تھا۔

وہ ژالے نہیں مل رہی، پتا نہیں کہاں چلی گئی ہے۔۔ "حیدر کے سامنے ژالے کا چہرہ گھوما۔"

"ایک نمبر بھیج رہا ہوں ولید، فوراً سے پہلے اس کی لوکیشن ٹریس کرو۔"

دوسرے فون سے ولید کو میسج کرتے اس نے فوراً سے پہلے گاڑی نکالی تھی۔

"دعا میری بات سنیں۔۔ ژالے مل جائے گی، رونا بند کریں۔"

وہ اسے چھوٹے بچوں کی طرح سمجھا رہا تھا جیسے وہ اس کے سامنے رو رہی ہو جبکہ دعا کو اب رو رو کر ہچکیاں لگ چکی تھیں جس سائیڈ پر وہ تھے وہاں زیادہ تر کھائیاں ہی تھیں اور اس سے آگے وہ سوچ نہیں سکتی تھی۔

....

فون کے سگنلز نہ آنے کے سبب وہ نجانے کب اپنے ساتھیوں سے دور نکل آئی اسے خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ اس نے خود کو اکیلا پایا تب اسے ڈر سا محسوس ہوا تھا۔ آگے پیچھے ادھر اُدھر کھائیوں کے سِوا کچھ نہ تھا۔ مغرب ہونے والی تھی۔ ہوا میں خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کا خون خشک ہو رہا تھا۔ ژالے کو لگا تھا کہ وہ مر جائے گی۔ وہ کیسے اتنی دور آ گئی۔ اب تو فون کی بیٹری بھی ختم ہونے والی تھی۔ ژالے نے دعا کا نمبر مِلایا مگر سگنلز نہ ہونے کی وجہ سے وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ کہاں جائے۔ وہ وہیں بیٹھ گئی اور کچھ سمجھ نہیں آیا تو اس نے اپنا پسندیدہ مشغلہ آنسو بہانا شروع کر دیے تھے۔ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی جب کسی آواز کے سنائی دینے پر اس کی سانس رُکی۔ اس نے مُڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ بارش بھی شروع ہو گئی تھی۔ آس پاس کوئی ایسی جگہ بھی نہ تھی کہ وہ پناہ لیتی۔ مسلسل دو گھنٹے وہ بارش میں بھیگتی رہی اور وہیں روڈ پر بے ہوش ہو گئی تھی۔

وہ کوئی دو گھنٹے سے بارش میں پڑی ہوئی تھی۔ ہونٹ نیلے پڑ چُکے تھے، جانے وہ زندہ بھی بچے گی یا نہیں۔"

....

گاڑی سنسان علاقے کا رخ کر رہی تھی جب ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی۔ اس نے نظریں اُٹھا کر ڈرائیور کی جانب دیکھا۔

"صاحب!! وہ سامنے کوئی لڑکی بے ہوش پڑی ہے۔"

ڈرائیور کے کہنے پر اس نے سامنے دیکھا۔

"جاؤ دیکھو کون ہے، کیا ہوا ہے انہیں۔"

اسفندیار کے کہنے پر ڈرائیور گاڑی سے بہت نکل گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس نمودار ہوا۔

"صاحب سردی کی شدت سے یہ بے ہوش ہو گئی ہے اور اس کی حالت خطرناک حد تک خراب ہے۔"

اسفندیار کے دل میں نجانے کیا آیا کہ وہ گاڑی سے باہر آ گیا۔ اس نے لڑکی کو بغور دیکھتے اس میں کسی کی شباہت ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔

"اُن کو احتیاط سے اٹھا کر گاڑی میں ڈالو۔"

اسفندیار فون میں مصروف ہو گیا تھا پھر نجانے اس کے دل میں کیا آیا کہ وہ خود اس کی جانب بڑھا اور اس کے نازک وجود کو اُٹھا کر گاڑی میں ڈالا۔

گھر پہنچنے تک وہ بے ہوش ہی رہی تھی۔ ڈرائیور کو اس نے اپنی بیوی کو بلانے کا کہا تھا چونکہ اس کے کپڑے سارے بھیگے ہوئے تھے تو اس لیے اس نے ناچاہتے ہوئے بھی ڈرائیور کی بیوی کو کچھ کپڑے لانے کا کہا تھا۔

ڈرائیور کی بیوی نے آکر ژالے کو چینج کروادیا تھا مگر وہ کپڑے اسے بہت بڑے اور کھلے تھے۔

اسفندیار نے ژالے کے پاس پڑے موبائل کو دیکھا اور اسے جیب میں ڈال لیا تھا۔

گھر آکر اس نے اس موبائل سے سم نکال کر آن کی مگر اس سم میں کوئی بھی نمبر سیو نہیں تھا۔ اس لیے وہ بیٹھ کر کال کا انتظار کرنے لگا تھا۔

اسے جب ہوش آیا تو خود کو انجان جگہ پر پاکر اس کی آنکھوں میں خوف سا ابھر آیا تھا۔

ادھر اُدھر نظریں دوڑانے کے بعد اُسے محسوس ہوا کہ یہ ایک فارم ہاؤس تھا جو کہ بہت ہی خوبصورت تھا۔

اس نے اُٹھنا چاہا مگر سر میں بے تحاشہ درد کی وجہ سے وہ اُٹھ نہ سکی تھی، اچانک کسی نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ ژالے کو ڈر سا محسوس ہوا تھا مگر دروازے پر کھڑے وجود کو دیکھ کر اسکا سارا ڈر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ وہاں کوئی اور نہیں بلکہ ایک چار پانچ سالہ بچی کھڑی تھی جو اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ قدم قدم چلتی اس کے پاس آئی اور ہاتھ لگا کر اُسے محسوس کرنا چاہا۔

"آپ کون ہیں؟"

ابھی تک اس چھوٹی سی بچی کے لبوں سے یہ ہی ادا ہوا تھا۔

"میں ژالے ہوں۔۔ ژالے یوسف زئی۔"

ژالے نے اسے اپنا نام بتایا جس پر اسکی آنکھیں حیرت سے کھلیں۔

"اور میرا نام اِمامہ یوسف زئی ہے ہمارا قبیلہ سیم ہے نا؟"

امامہ اپنی نے چھوٹی چھوٹی آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا۔

"کیا سیم ہے؟"

اس کے کہے الفاظ ژالے کو سمجھ نہیں آئے تھے۔

قبیلہ۔۔۔"جواب غیر متوقع سمت سے آیا تھا۔ سفید کُرتا شلوار میں ملبوس، گرم شال کندھوں پر ڈالے" اپنی گھمبیر شخصیت سمیت وہ آہستہ قدم اُٹھاتا اندر آیا تھا۔ اُسے دیکھ کر ژالے کھڑی ہو گئی تھی۔

بیٹھیے پلیز!!"اس کے یوسف زئی قبیلے سے ہونے کی یہ ہی علامت تھی کہ اس نے ابھی تک ژالے کو" نظریں اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

ژالے کے بیٹھنے پر وہ بھی بیٹھ گیا تھا جبکہ وہ چھوٹی سی پری بھی اپنے اسفی کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی۔

اپنے گھر والوں کا کوئی کانٹیکٹ نمبر دے دیجیے، میں ان سے رابطہ کر لیتا ہوں پھر آپ کو حفاظت سے" "روانہ کر دیا جائے گا۔

امامہ کو گود میں بِٹھاتے اس نے کہا تھا۔

"مجھے صرف لالہ کا نمبر یاد ہے، میں آپ کو دے دیتی ہوں۔"

اس کے جلد بازی والے انداز کو دیکھ کر وہ مسکرایا تھا۔

پہلے کھانا کھالیں۔ بے فکر رہیں، آپ یہاں محفوظ ہیں۔ میں آپ کی سم اور فون بھجوا رہا ہوں۔ بات "کر لیجیے گا۔"

ژالے کو دیکھتا ہوا وہ اُٹھ گیا تھا جبکہ امامہ کا یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

"چلیے آپ بھی میرے ساتھ۔"

امامہ کا ہاتھ تھامتے وہ کمرے سے باہر بڑھ گیا۔

اب اس کی حالت قدرے بہتر تھی مگر اب بھی وہ ٹھیک نہیں تھی۔ بازو میں اُٹھتا درد بہت بڑھ جاتا تھا۔ وہ گھر آگئی تھی، سب اس کا بہت خیال کر رہے تھے مگر اس کو جس کی مسیحائی کی ضرورت تھی وہ تو سات سمندر پار بیٹھا تھا۔

رات کی فلائٹ سے وہ واپس پاکستان آیا تھا۔ تقریباً رات ایک بجے کے قریب وہ پاکستان کی سرزمین پر اُترا اور وہاں سے ڈرائیو کرتا سید شاہ وحید ہاؤس آیا تھا۔

"پپ۔۔۔ پانی۔۔" وہ کھڑکی سے کمرے میں داخل ہوا تو اپنے محبوب کی کمزور سی آواز پر وہ فکر مند ہوا تھا۔ آگے بڑھ کر اس نے محسوس کِیا کہ وہ نیند میں ہے۔ سجاول نے پانی کا گلاس اُٹھا کر اس کے لبوں سے لگایا تو وہ تھوڑا سا پانی پی کر غنودگی میں چلی گئی تھی۔

اس نے پاس پڑا لیمپ آن کِیا تو دشمنِ جان کا چہرہ نظر آیا۔ پیلا زرد رنگ اور گہرے حلقے۔ وہ کیا سے کیا بنا گیا تھا اس کو۔

سجاول نے نا چاہتے ہوئے بھی محبت کا پہلا لمس اس کی جبین پر دیا تھا۔ سجاول کی موجودگی کو وہ نیند میں بھی محسوس کر گئی تھی۔ نجانے کس احساس کے تحت اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے سفید شلوار قمیض پر سیاہ چادر اوڑھے وہ بیٹھا ہوا تھا۔

"پھر سے آ گئے تم! میری زندگی کو کیوں ابتر کر دیتے ہو؟ میں تمہیں بھولنا چاہتی ہوں مگر۔۔" وہ اُٹھ بیٹھی تھی، سجاول اُٹھ کر اس کے قریب آیا تھا۔

"زہرہ" نجانے کتنے سالوں بعد اس کی سماعتوں نے اپنا نام اس ظالم شہزادے کے لبوں سے سنا تھا۔

ایسے ہی توخوبصورتی سے وہ اُسے پکارتا تھاہمیشہ جبکہ ذہرہ نے اپنا سر اس کے سینے پر رکھا تھا۔ مخصوص کلون کی خوشبو کووہ محسوس کر سکتی تھی۔ وہ اُسے محسوس کر رہی تھی مگر یہ سمجھ رہی تھی کہ اگر اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ غائب ہو جائے گا ہمیشہ کی طرح۔

اس کی قمیض کو مٹھیوں میں جکڑے وہ اُسے مصیبت میں ڈال گئی تھی۔ باہر بارش زور و شور سے برس رہی تھی جبکہ سجاول کی نظر اس کے لبوں پر تھی جو کہ اس کی توجہ خود کی جانب کھینچ رہے تھے۔ وہ اس کے پاس مزید بیٹھنا چاہتا تھا مگر موسم کے رنگ ڈھنگ اور زہرہ کی بے خودی، دونوں اس کی تشنگی میں اِضافہ کر رہے تھے۔ وہ اس کو آرام سے لِٹا کر جانے لگا جب زہرہ نے نم آنکھیں کھولیں اور اس کی مضبوط کلائی کو اپنے ہاتھ میں پکڑا تھا۔

ایسا ممکِن ہے کہ محبوب آئے اور عاشق دیدار نہ کرے؟" اس سے سوال کرتی وہ بہت مشکل سے اس" کے روبرو آئی تھی۔ زہرہ کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر سجاول کا دل ڈوبا تھا۔

ابھی تو آئے ہیں اتنی جلدی جا رہے ہیں؟" اس کے ہاتھ کو آزاد کرتی وہ دو قدم کا فاصلہ مٹاتی بالکل اس" کے نزدیک چلی آئی تھی۔

میرا یہاں رہنا ہم دونوں کے لیے ہی ٹھیک نہیں۔ اس لیے جانا بہتر ہے۔" سجاول نے سنگ دِلی دِکھائی" تھی۔

مگر مجھے آپ کی موجودگی کو محسوس کرنی ہے، کچھ ایسا کر جائیں کہ میں پل پل آپ کو محسوس کروں۔"

"جاتے جاتے میرے کمرے کی کسی چیز کو ہاتھ لگاتے جائیں تاکہ میں اُس چیز کو اپنے پاس رکھ سکوں۔

دوبارہ سے بھیگتی آنکھیں دیکھ کر سجاول نے تاسف سے اُسے دیکھا اور پل بھر میں اُسے کمر سے پکڑ کر خود کے بے حد قریب کر لیا تھا جبکہ اس افتاد پر اس کا دل دھڑکا تھا۔ کہاں وہ اُس سے دس قدم دور بھاگتا تھا اور آج اتنا قریب تھا کہ زہرہ اپنی پلکیں اس کی پلکوں سے مِلا سکتی تھی۔

سجا۔۔۔" اس کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے جب سجاول میر نے اپنی سانسوں سے اس کی سانسیں" اُلجھائی تھیں۔ اُس کی اس حرکت پر زہرہ شل رہ گئی تھی۔ اس کی شدت اس قدر تھی کہ وہ برداشت نہیں کر سکی تھی اور اپنے بازوؤں میں موجود وجود کو مزاحمت ترک کرتا دیکھ کر اس کی حالت پر رحم کھاتے اس نے اُس خود سے دور کر دیا تھا۔ زہرہ اس سے دور ہوتی رُخ پھیر گئی تھی۔

"اتنی ملاقات کافی ہوگی میرے مطابق آپ کو خود میں اُلجھا کر رکھنے کے لیے۔۔ خیال رکھیے گا اپنا۔"

وہ بِنا اس کا چہرہ دیکھے چلا گیا تھا جبکہ وہ اپنی سانسیں بحال کرتی رہی۔

وہ جب رات کو گھر آیا تھا تب سے ہی اُسے اپنا موبائل گھر میں بھی نہیں مِل رہا تھا۔ اس فون میں اس کے کافی زیادہ اہم نمبرز تھے۔ اس لیے موبائل ہر حال میں ڈھونڈنا تھا۔ اس نے فوراً سم کی لوکیشن نکلوائی تو وہ اس کے اپنے ہی گھر کی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ فون یہیں کہیں تھا۔ سب کمروں میں وہ دیکھ چکا تھا بس اک ماہرہ کا کمرہ اُس نے چیک نہیں کِیا تھا۔ رات کے اس وقت اسے ماہرہ کے کمرے میں جانا معیوب لگا مگر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو فوراً اندر سے ماہرہ کی آواز آئی۔

"میرا فون یہاں ہے؟" عفان کی آواز پر وہ پلٹی تھی تو عفان اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اس وقت ڈارک مہرون ساڑھی میں ملبوس انتہائی خوبصورت لگ رہی تھی۔ بال اس نے جوڑے میں مقید کر رکھے تھے جبکہ کچھ لٹیں چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ لائٹ سے میک اپ میں وہ کافی حسین لگ رہی تھی۔

"خیریت ہے کہاں جانے کا اِرادہ ہے؟" وہ اس کے فون کا کیمرہ کھُلا دیکھ چکا تھا تب ہی اس پر چوٹ کی تھی۔

"رات کے اس وقت ڈیٹ پر جا رہی ہوں" وہ بھی عفان کو تپانے کے لیے بولی تھی۔

"تم جانتی ہو نا کہ میری کیا لگتی ہو؟" سوال پر سوال کِیا گیا تھا۔

"کون ہیں آپ؟" عجب قسم کی حیرانگی سے پوچھا گیا تھا جبکہ اس کی اِس حرکت پر عفان نے بازو سے تھام کر اُسے خود کے قریب کیا تھا۔

میرے تعارُف کہ لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تمہارے نام کے آگے میرا نام آتا ہے۔" اس کی اِس بات پر" ماہرہ جبراً مسکرائی اور پل میں دور ہوئی تھی۔

"یہ نام زبردستی میرے نام کے ساتھ جُڑا ہے بس۔۔"

وہ اس سے مزید دور ہوئی تھی جبکہ اس کی احتیاطی تدابیر پر وہ مسکرایا تھا۔

پہلے کبھی قریب کیا ہے جو اب کروں گا جبکہ میں پورے اختیار رکھتا ہوں۔" عفان کے لہجے میں کچھ تو" ایسا تھا کہ وہ نظریں جھکانے پر مجبور ہوئی تھی۔

موبائل ٹیبل پر پڑا ہے۔۔" وہ فون اُٹھاتا کمرے سے نکل گیا تھا جبکہ ماہرہ کا دل بھی اب عجیب سا ہو گیا" تھا۔ صبح اس کی یونیورسٹی میں فنکشن تھا جس کی وجہ سے وہ ساڑھی پہن کر دیکھ رہی تھی کہ وہ کیسی لگے گی تیار ہو کر مگر اب وہ ظالم اس کا دل اداس کر گیا تھا۔

السلام وعلیکم !میں دعا وحید ہوں۔۔میری دوست یہاں فارم ہاؤس پر ہیں اور" میں اُسے پِک کرنے آئی ہوں۔" گاڑی سے نکل کر بیل بجانے پر جب گارڈ باہر آئے تو دعا نے انکو ساری تفصیل بتائی۔

اوہ میم صاحب آیئے۔۔" دعا نے گاڑی کی جانب دیکھا جہاں مبین براجمان تھا" اور پرنسپل صاحب بھی۔ اُس کے دیکھنے پر مبین اسکے ساتھ اندر کی جانب بڑھا تھا۔ ملازم اُسے لاؤنج میں بِٹھا کر خود اسفندیار کو بُلانے چلا گیا تھا۔ان کو بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جب ژالے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ان کے پاس آئی تو اسے دیکھ کر دعا کی پلکیں نم ہوگئ تھیں ۔ اس نے آگے بڑھ کر ژالے کو گلے لگایا تھا۔

تم ٹھیک ہو؟ کچھ ہوا تو نہیں نا؟" دعا کے سوال پر ژالے نے اُسے یقین دِلایا" کہ وہ ٹھیک ہے۔ اِتنے میں اسفندیار وہاں آگیا تھا۔ مبین سے ہاتھ مِلا کر وہ وہیں بیٹھ گیا تھا۔

بے فکر رہیے محترمہ آپ کی دوست بالکل محفوظ ہیں۔" دعا کی نم آنکھیں دیکھ" کر اس نے کہا۔شاید وہ دوسری لڑکی تھی جسے اسفندیار بغور دیکھ رہا تھا۔ موٹی موٹی آنکھیں، گہری خم دار پلکیں، خوبصورت نین نقش وہ اُسے کافی پیاری لگی

تھی۔ اس کو دیکھ کر اسفندیار کو وہ لڑکی یاد آگئی تھی جس نے اس کے دل کو بنجر کیا تھا۔۔

آپ کا بہت شکریہ جناب۔۔اب ہمیں اِجازت دیں۔ زندگی رہی تو دوبارہ" ملاقات ہوگی۔"مبین اسفندیار سے مصافحہ کرتا وہاں سے نکل گیا تھا جبکہ دعا اور ژالے بھی اُسے شکریہ کہتی وہاں سے نکلی تھیں۔

ژالے تم جارہی ہو؟"اس سے پہلے وہ گھر سے نکلتیں ننھی سی بچی کی آواز پر" ژالے پلٹی تھی۔

"ژالے دوبارہ آئیں گی اِمامہ۔۔بائے کہیں اِنھیں۔۔"

اسفندیار کی بات کو اِگنور کرتی وہ دعاکی جانب آئی تھی۔

تم کون ہو؟" اِمامہ نے سوال ہی اتنے پیارے انداز میں پوچھا کہ وہ کھِلکھِلائی" تھی۔

تم پری ہو نا؟ وہ ہی پری جس کے سکیچ اسفی کے روم میں ہیں؟"امامہ نے" تصدیق کے لیے اسفندیار کی جانب دیکھا تھا۔

"نہیں یہ وہ نہیں ہیں۔۔" دعا کے خود کی جانب دیکھنے پر وہ گڑبڑایا تھا۔

"رُکیں میرے پاس تصویر بھی ہے۔" اِمامہ نے اپنے چھوٹے سے بیگ سے سمارٹ فون نکالا جبکہ اس کی اِس حرکت پر اسفندیار سخت غُصہ ہوا تھا۔

دو منٹ کے اندر اندر اِمامہ نے سکیچ کی تصویر نِکال لی تھی جبکہ اسفندیار بھی اُس چھوٹی سی آفت کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"ارے یہ تو بالکل دعا کا سکیچ ہے۔" ژالے نے اتنے پیارے سکیچ کو دیکھ کر کہا تھا جبکہ دعا بھی حیرت میں مبتلا تھی۔

"ایکچوئلی آپ سے مشابہت رکھنے والی ایک ہستی سے مجھے نوازا گیا تھا۔ یہ اُن کا سکیچ ہے" دعا نے اسفندیار کی آنکھیں سرخ ہوتے دیکھی تھیں۔

"کہاں ہیں وہ اب؟" نجانے کیوں وہ اس کی تکلیف کو نظر انداز کرتی یہ پوچھ بیٹھی تھی جبکہ مبین ان دونوں کو دو مرتبہ بُلا چُکا تھا۔

قبرستان" اسفندیار کی بات پر جہاں دعا کا دِل ڈوبا تھا وہیں ژالے کو اس کی "تکلیف کا اندازہ ہوا تھا جبکہ وہ اپنے جذبات چھُپانے میں ماہر تھا فوراً ہی تاثرات نارمل کر گیا تھا۔

اسفی بھائی ہم دوبارہ بھی یہاں آسکتے ہیں؟" بات کو بدلنے کے لیے ژالے نے "کہا تھا۔

جی بالکل۔ اس گھر کے دروازے آپ کے لیے تاعمر کھُلے ہیں" اس نے ژالے "کی بات کا جواب دیا تھا جبکہ نظریں اس کی دعا پر مرکوز تھیں اور تب ہی وہ وہاں سے نکل گئی تھی۔ ژالے بھی اُسے خُدا حافِظ کہتی نکل گئی تھی۔

وہ ساری رات جاگتی رہی تھی۔ سجاول کا لمس مِٹانے کے لیے نجانے کتنی مرتبہ منہ دھو چُکی تھی۔ اُسے خود کی سانسوں سے سجاول کی خوشبو آرہی تھی۔ صبح کے نجانے کس لمحے نیند اس پر مہربان ہوئی تھی جب ماہرہ کمرے کا دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی تھی۔

"اُٹھیں مہمان آئے ہیں کچھ" وہ اُسے اُٹھنے کا کہتی اس کی الماری کی طرف بڑھی تھی۔ وہاں سے اسکا سوٹ نکالا اور اب ڈریسنگ سے اس کی جیولری نکال رہی تھی۔

"کون آیا ہے اور یہ چیزیں کیوں نکال رہی ہو تم؟" وہ اُٹھ کر آنکھیں ملتی بولی تھی۔

"رشتہ آیا ہے آپ کا۔۔ لڑکا اور لڑکے کی دادی صاحبہ آئی ہیں" اس کی بات پر زہرہ کی نیند بھک سے اُڑی تھی۔

"یہ کیا بول رہی ہو تم؟ میں ایسے کیسے؟" اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود بھی ماہرہ نے اُسے اچھا خاصہ تیار کر دیا تھا۔

وہ نیچے آئی تو لاؤنج میں ایک بزرگ عورت براجمان تھیں۔ وہ کافی ڈیسنٹ پرسنیلٹی رکھتی تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر اُنھوں نے اُسے پاس بُلایا تھا۔ وہ مرے مرے قدموں سے اُن کے پہلو میں جا بیٹھی تھی۔

"ماشاللہ جیسا سُنا تھا، اس سے بھی زیادہ پایا ہے"

اس کو دیکھ کر اُنھوں نے کہا تھا۔

"میری طرف سے بات پکی سمجھیں آپ زمرد بیگم۔ ہمیں یہ انمول تحفہ ہر قیمت پر منظور ہے" وہ زہرہ کے ہاتھ پر پانچ پانچ ہزار کے کئی نوٹ رکھ گئی تھیں جبکہ زہرہ نے نم آنکھوں سے ماں کو دیکھا تھا۔

"بی بی جی وہ بھائی کہہ رہے ہیں کہ انھیں کہیں جانا ہے۔ آپ جلدی سے آجائیں" وہ بزرگ عورت زہرہ کو پیار کرتیں زمرد بیگم سے رخصت کی اجازت مانگتی چلی گئی تھیں جبکہ زہرہ نے وہ پیسے ٹیبل پر پٹخ دیے تھے۔

"یہ کیا حرکت تھی ماں؟ مجھے نہیں کرنی شادی۔۔ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں آپ؟" وہ سخت لہجے میں بولی تھی۔

"میری دوسری بھی بچیاں ہیں۔ میں نے اُن کو بھی دیکھنا ہے۔ ہر وقت میں تمہاری پریشانی میں نہیں گھُل سکتی۔۔ سیدھی طرح شادی کرو اور جاؤ اپنے گھر" زہرہ کو سخت لہجے میں کہتی وہ وہاں سے چلی گئی تھیں جبکہ وہ پیچھے بیٹھی بے بسی سے رو دی تھی۔

....

اس کاناران کاغان کاٹرپ ختم ہونے کو تھا۔ مبین، ژالے اور دعا کی بہت دوستی ہو گئی تھی۔ ژالے نے مبین کی آنکھوں میں خود کے لیے پسندیدگی دیکھی تھی مگر وہ فی الحال حال کوئی بھی قدم نہیں اُٹھا سکتی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ بھی دل کے کونے میں مبین کو بسائے بیٹھی تھی۔ واپسی پر انھوں نے جھیل سیف الملوک کا رُخ کِیا تھا۔ بارش کے موسم نے سب کچھ مزید حسین بنا دیا تھا۔

ژالے اور دعا ایک سائیڈ پر بیٹھیں اس منظر کو دیکھ رہی تھیں جب دعا کا فون بجا تو وہ کال سننے کے لیے سائیڈ پر ہو گئی تھی۔

"یہ منظر کس قدر دلکش ہے نا؟" ژالے اِس منظر میں کھوئی ہوئی تھی جب مبین کی آواز پر پلٹی تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ پتھر پر ہی آ بیٹھا تھا۔

"یہاں کی ہر چیز خوبصورت ہے مبین۔ یہاں گزارا ہر لمحہ، ہر منظر دِلکش ہے۔ یہاں آکر جی چاہتا ہے کہ واپسی کا ہر راستہ ختم ہو جائے۔ سچ کہوں تو میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں یہاں سے کبھی واپس نہ جاؤں، تاعمر یہیں رہوں۔" وہ اس کے اداس لہجے کو بھانپ گیا تھا تب ہی اسکا دل بہلانے کو اُسے وہاں سے دور جھیل کے پاس لے آیا تھا۔

"ژالے وقت ایک سا نہیں رہتا۔ انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ ہر شے سے اُکتا جاتا ہے۔ ہم یہاں رہیں تب بھی اُکتا ہی جائیں گے۔ سچ تو یہ کہ انسان کا جی انسانوں سے بھی بھر جاتا ہے "مبین کی بات پر ژالے نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاں مگر میرا میرے من پسند شخص سے جی کبھی نہیں بھرے گا مبین۔۔۔"مبین کی جانب دیکھ کر یہ کہتی وہ اُسے بہت کچھ جتا گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ کوئی اور جواب دیتا اس کے فون پر دعا کا میسج آیا تھا جِسے پڑھ کر وہ مسکرایا تھا۔

"جلدی سے اظہار کر دیں۔ میں زیادہ دیر کھڑی بور نہیں ہو سکتی مبین بھائی"شرارتی سا میسج لکھ کر وہ وہیں بیٹھ گئی تھی۔ انسان اکیلا ہو تو زیادہ پر سکون ہوتا ہے۔

"کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ؟"اُسے مسلسل کشمکش میں دیکھ کر ژالے نے سوال کیا تھا۔

"بِن کہے نہیں سمجھ سکتیں آپ کیا؟"مبین کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ جس کو محسوس کر کے ژالے نظریں جھکا گئی تھی۔

"بِن کہے سمجھنا نہیں چاہتی، مجھے لفظوں میں سننا ہے"ژالے نے دھیمی آواز میں کہا۔

"مجھے کامیاب ہونے میں وقت لگے گا ژالے۔ میرے اور آپ کے اسٹینڈرڈز میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ شہزادیوں کی طرح زندگی گزارنے والی لڑکی کو میں کنیزوں کی طرح رکھوں۔ میرا انتظار کیجیے گا میں کامیاب ہو کر آؤں گا" اس کے لفظوں کی گہرائی سمجھ کر ژالے دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔ وہ یہ۔ سمجھ گئی تھی ان کا کوئی مقدر نہیں ہے۔ ہاں مگر اک ملال سا تھا اس کو۔ اُس کو آج خود کے اسٹینڈرڈ پر افسوس ہوا تھا۔

"انتظار کریں گی میرا؟" وہ وہاں سے جانے لگی تھی جب مبین نے اِک آس سے پوچھا تھا۔ اس نے رُخ واپس مبین کی جانب کِیا اور خود دو قدم قریب آئی اور اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لیا۔

"تاعمر" وہ اس کی نظروں میں دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"آپ کے چہرے کا عکس ہمیشہ میری آنکھوں میں مُقید رہے گا" ژالے اس کی بات سن کر کِھلکھلائی تھی جبکہ دعا نے اس منظر کو کیمرے میں مقید کیا تھا اور قسمت بھی دور کھڑی محبت کی نئی داستان پر ایمان لائی تھی۔

....

عفان کافی دیر سے فون ٹرائے کر رہا تھا مگر نجانے وہ کہاں تھی جو اس کا فون پک نہیں کر رہی تھی۔ وہ فون لے کر چھت پر آیا تھا جب اچانک فون بجنے لگا۔

"کہاں تھیں تم جازیہ؟ میں کب سے فون ٹرائے کر رہا ہوں" وہ واک کر رہا تھا جب فون پر اس کی سسکنے کی آواز پر وہ چونک گیا تھا۔

"کیا ہوا ہے جازیہ؟ کیوں رو رہی ہیں؟" رسان سے پوچھا گیا تھا۔

"جازیہ سلطان کا سودا ہو گیا ہے عفان۔ یہ لوگ مجھے بیچ رہے ہیں" وہ سسکتے ہوئے کہہ رہی تھی اور اس کی بات سن کر عفان کا جی چاہا تھا کہ وہ کسی بھی طرح سب کچھ ٹھیک کر دے۔

"بیٹا میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں باحِفاظت پاکستان لے آؤں گا بچے۔۔ روتے نہیں ہیں۔" کسی اپنے کی آواز پر اُسے مزید رونا آیا تھا۔

"کیسے عفان؟؟ کیسے؟؟؟ میرا سودا اِتنے پیسوں میں ہوا ہے کہ چاہ کر بھی آپ مجھے آزاد نہیں کروا سکیں گے" جازیہ کی بات پر وہ اسے تسلی دیتا کال کاٹ گیا تھا اور آگے کا لائحہ عمل سوچنے لگا تھا۔

نیچے آیا تو ماہرہ کچن میں کافی بنا رہی تھی۔ اس کے اچانک آنے کی وجہ سے گرم کافی چھلک کر اس کے ہاتھ پر گری تھی جس سے اسے تکلیف ہوئی تھی۔

"کوئی کام دھیان سے بھی کر لیا کریں" اس کا ہاتھ واش بیسن سے دھلواتے عفان نے کہا تھا۔

"آپ کو صرف تکلیف دینا ہی آتا ہے۔ ہمیشہ یہ ہی کیا ہے آپ نے" اس کی بات پر وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔ عفان اس سے پہلے کچھ کہتا صبا بیگم کچن میں داخل ہوئیں اور عفان کے ہاتھ میں ماہرہ کا دیکھ کر جبرا مسکرائیں۔

"کیا بات ہے بیٹے؟ کچھ زیادہ نہیں شوق تمہیں دوسری عورتوں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کا؟" صبا بیگم کی طنزیہ بات پر عفان نے ماہرہ کا ہاتھ نرمی سے چھوڑا تھا۔

"پہلی بات تو یہ کہ ماہرہ یوسف میرے لیے کوئی دوسری عورت نہیں اور دوسری بات یہ کہ آپ کے احد کو بھی کل ہی دیکھا میں نے ریڈ زون کے کلب میں کسی کا ہاتھ پکڑے ہوئے۔" صبا بیگم اس کی بات پر تلملاتی ہوئی فوراً نکل گئی تھیں۔

"آپ ریڈ زون میں کیا کرنے گئے تھے؟" نجانے کس احساس کے تحت ماہرہ نے سوال کیا تھا۔

"واہ بیوی۔۔ آفیشلی بیویوں والے سوال کر رہی ہو۔"

اس کے بیوی کہنے پر وہ ہمیشہ کی طرح چڑ کر کچن سے نکلنے لگی تھی۔

"رُخصتی کی بات کرنے جارہا ہوں میں بابا سے۔۔ اپنے آپ کو مینٹلی تیار کرو ماہرہ" وہ اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لے گیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ مجھے نہیں کروانی کوئی رخصتی۔۔ یہ نکاح میری پسند سے نہیں ہوا اور آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ ایک قاتل کو میں اپنے شوہر کے رتبے پر دیکھ سکتی ہوں؟" ماہرہ نے لفظوں کے تیر چلائے تھے جبکہ اس کی ایسی باتوں پر عفان نے اسے ہاتھ سے کھینچ کر خود سے قریب کِیا تھا۔

"جو مرضی کہو ماہرہ۔ رخصتی ہو گی اور ہر حال میں ہو گی" غصّے سے کہتا وہ کچن سے نکل گیا تھا اور وہ روتے روتے وہیں بیٹھ گئی تھی۔

وحید ہاؤس میں شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ لڑکے والوں کا جواب سن کر زہرہ کے گھر والوں نے بھی اسی لڑکے کے حق میں فیصلہ کِیا تھا جبکہ زہرہ کی ہمت ٹوٹتی جارہی تھی مگر وہ یہ سب قسمت کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرچکی تھی۔ آج اس کی مہندی کا فنکشن تھا۔

زہرہ کی پسندیدگی کا خیال کرتے ہوئے سب سادگی سے کِیا گیا تھا۔ سارا الان بہت ہی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔

وہ زہرہ کے کمرے میں آئی تو زہرہ کی رنگت پیلے لباس میں زردہی لگ رہی تھی۔ وہ خوش نہیں تھی۔ یہ اُس کی زبان کے علاوہ اس کی آنکھیں بھیچیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں۔

"میری آپی کتنی پیاری لگ رہی ہیں" دعا کمرے میں داخل ہوتی بولی جبکہ زہرہ نے نظر اُٹھا کر دعا کو دیکھا جو پیلے رنگ کی شارٹ فراک کے ساتھ سبز رنگ کا پلازو پہنے ہوئے تھی۔ بالوں کو اس نے چوٹی بنا کر چھوڑا ہوا تھا جس میں سے کئی لٹیں اس کے چہرے پر آرہی تھیں۔ میک اپ کے نام پر اس نے صرف مسکارا اور لپ سٹک ہی لگائی تھی بس۔

"اللہ تمہیں ایسے ہی خوش رکھے۔" ماں کو اندر آتا دیکھ کر وہ صوفے سے اُٹھی تھی۔

"میری زہرہ" اس کی ماں نے نم آنکھوں سے جب اُسے پکارا تو زہرہ بھی مسکرائی تھی۔

"ماں کی محبت پر لاکھ محبتیں قربان۔ مجھے آپ کا یہ فیصلہ دل سے قبول ہے اماں۔ میری طرف سے آپ کو جتنی بھی تکلیفیں مِلیں میں معذرت چاہتی ہوں" اس کی زبان سے نکلا ایک ایک حرف سچا تھا یہ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ بس اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔۔ اُس کے بعد اُسے نیچے لان میں لے جایا گیا تھا۔

وہ جب نیچے آئی تو ماہرہ اسی وقت گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی یونیورسٹی کا کوئی ایونٹ تھا جو کہ وہ مِس نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جب گھر آئی تو گھر کی رونقوں کو دیکھ کر اس نے دل سے اس گھر کو یوں ہی بسنے کی دعا دی تھی۔

"ماہرہ جلدی سے تیار ہو جاؤ بچے۔ کمرے میں ہر چیز ریڈی ہے" وہ یہ سن کر مہمانوں سے بچتی کمرے میں پہنچی۔

بیڈ سے کپڑے اُٹھاتی وہ جب چینج کر کے آئی تو اس کی فراک کچھ زیادہ ہی فِٹ تھی۔ وہ شروع سے ایسے کپڑے پہنتی تھی مگر جس میں وہ کمفرٹیبل نہ ہو وہ چیز ماہرہ استعمال نہیں کرتی تھی۔ وہ فراک ابھی ٹھیک کر رہی تھی جب عفان کمرے میں آیا۔ اسے یوں بغیر دوپٹے کے دیکھ کر وہ مُڑنے لگا تھا جب اس کی نظر ماہرہ کی فراک پر پڑی۔

اتنی زیادہ تنگ فراک دیکھ کر اُسے غصہ آیا تھا۔

"تم یہ نہیں پہنو گی۔ چینج کرواِسے۔" اس کی بات سن کر ماہرہ کو بھی غصہ آیا تھا۔

"میرے معاملوں میں ٹانگ مت اڑایا کریں۔ میں جو بھی پہنوں آپ کو کیا مسئلہ ہے؟" اس کی بات سن کر عفان سر نفی میں ہلاتا نیچے چلا گیا تھا جبکہ ماہرہ کے پاس مزید کوئی آپشن نہیں تھا کیونکہ وہ زیادہ تر فینسی ڈریس رنگ برنگے لینے کے بجائے کالے یا سفید ہی لیتی تھی جبکہ آج کی تھیم بھی ییلو اور گرین تھی۔ وہ دوپٹہ سیٹ کرتی نیچے آئی جب عفان کی نظر سے نظر ملی تو وہ برا سامنہ بناتی لان میں چلی گئی جبکہ وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔

...

رسم وغیرہ کا آغاز کیا گیا تو دعا کو زمرد بیگم نے مٹھائی لینے اندر بھیجا۔

"بھئی کدھر ہے مٹھائی؟ میرے سر میں پہلے ہی درد۔۔۔" ابھی اس کے کچھ لفظ منہ میں ہی تھے جب اس نے سامنے حیدر کو کھڑے پایا تھا۔ اس کو یہاں دیکھ کر اس کے سر کا درد کیا دِل کا درد بھی شروع ہو گیا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح بِن بُلایا مہمان بن کر چلا آیا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہیں آپ؟" دعا کے روکھے انداز پر اس نے بھنویں اُچکائیں تھیں۔

"میری سالی کی شادی ہے۔ آنا تو بنتا تھانا؟" حیدر کے دوٹوک جواب پر جہاں دعا بوکھلائی تھی وہیں عفان بھی کچن میں چلا آیا تھا۔

"دعا اماں بُلا رہی ہیں جاؤ" حیدر کو دعا کے پاس دیکھ کر وہ نجانے کیوں چڑ جاتا تھا۔

"یہاں آنے کا مقصد؟" عفان کے کہنے پر وہ کچن سے باہر دیکھنے لگا۔

"زہرہ کے ساتھ کیا کر رہے ہو تم لوگ؟ جانتے ہو کہ وہ خوش نہیں رہ سکے گی پھر بھی زبردستی کرنے کا مقصد؟" سوال پر سوال داغا گیا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ اس کا نکاح کس کے ساتھ ہو رہا ہے؟" عفان کے سوال پر حیدر نے اسکی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"میں یہ جاننے میں دِلچسپی نہیں رکھتا۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ زہرہ کو اگر سنبھال نہیں سکتے تو مجھے دے دو، میں اُسے لے جاؤں گا۔ تمہاری طرح زبردستی بہنوں کو بیاہنے کے حق میں نہیں ہوں میں" حیدر کی بات پر اس نے ضبط سے کھڑکی سے نظر آتی اپنی بہن ک دیکھا تھا اور اُسے اپنے گھر والوں کی بے وقوفیوں پر سخت اشتعال آیا تھا۔

"تمہیں اس چیز میں کوئی دلچسپی ہونی بھی نہیں چاہیے کہ زہرہ کب، کہاں اور کس سے نکاح کر رہی ہے۔ اپنی دو بہنیں جن سے رب نے تمہیں نوازا ہے ان کا خیال رکھو، یہ ہی بہتر ہے" عفان اس کے کالر پر سے نامحسوس مٹی جھاڑتا باہر نکل گیا تھا جبکہ اس نے تلملا کر اپنے یار کو دیکھا تھا۔

....

عفان جازیہ کا مسئلہ حل کرنے کی پوری کوشش کر چکا تھا مگر اسکے پاس اس وقت اتنی رقم ہر گز نہیں تھی کہ وہ جازیہ کو آزاد کروا پاتا۔

"بابا میں اگر اس گھر کو یہاں کی ہر قیمتی چیز کو یہاں تک کے اپنے پاس موجود ہر چیز کو بھی بیچ دوں تب بھی اتنی رقم اکھٹی نہیں ہو سکے گی کہ میں جازیہ سلطان کو یہاں لا سکوں" مہندی کا فنکشن ختم ہوتے ہی وہ دوبارہ سے اس مسئلے کو چھیڑ بیٹھا تھا۔

"بیٹے کیوں پریشان ہوتے ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وقت لگے گا اور رہی بات رقم کی تو جازیہ سلطان کا بھی پورا حق ہے ماہرہ کو وِرثے میں مِلی جائیداد پر۔" وحید صاحب کی بات پر وہ مزید پریشان ہوا تھا۔ ماہرہ کو وہ ہر گز حقیقیت نہیں بتا سکتا تھا۔

"آپ عورت ذات کو سمجھتے ہیں بابا۔ جذبات میں آکر وہ کچھ کر بیٹھیں گی میں مزید نقصان افورڈ نہیں کر سکتا۔ وہ مجھے بے حد عزیز ہیں اور جازیہ میرے بچوں جیسی ہے میں اُسے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ اپنے باپ کو اپنی مشکلوں سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ ماہرہ کا خود کے لیے ضروری ہونا بھی واضح کر گیا تھا۔

"اس کا ایک ہی حل ہے اب بابا" توقف کے بعد وہ بولا تھا جس پر وحید صاحب نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ کل زہرہ کے ساتھ ماہرہ کی بھی رخصتی کر دی جائے۔ وہ میرے پاس ہوں گی تو میں انھیں سب سمجھا دوں گا۔ فی احال وہ مجھ سے اور میں ان سے کوسوں دور ہوں" اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا وحید صاحب مسکرائے تھے۔

"میں سمجھ گیا ہوں۔۔ سب کو تیار کرنا میرا کام ہے مگر ماہرہ سے بات تم خود کرو گے۔ مجھ میں اس بچی پر اپنا جن جیسا بیٹا تھوپنے کی ہمت نہیں ہے"

وحید صاحب کی بات پر اس کا قہقہہ گونجا تھا۔ انھوں نے دل سے دعا کی تھی کہ آنے والے وقت میں سب ٹھیک ہو جائے۔

وہ کمرے میں آئی تو اپنا میک اپ ریموو کرنے بیٹھ گئی۔ کپڑے ابھی بھی اس نے ویسے ہی پہنے ہوئے تھے۔ آرٹیفیشل پلکوں کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا جبکہ اس وجہ سے اس کی آنکھیں سوجھ کر مزید پیاری لگ رہی تھیں۔ وہ اپنے بالوں کا جوڑا بنا رہی تھی جب عفان کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کو آتا دیکھ کر ماہرہ نے فوراً سے پہلے مُڑ کر اس کی جانب دیکھا جیسے کہنا نہیں بلکہ چیخنا چاہ رہی ہو کہ وہ کیوں آیا ہے؟

"مجھے بات کرنی ہے ماہرہ" نجانے کیوں مگر اُسے آج عفان کا لہجہ عجیب سا لگا۔

"کہیے" مسلسل بالوں میں مگن وہ بولی تھی۔

"میرے پاس آکر بیٹھیں ادھر" اس بات پر ماہرہ کے بال بناتے ہاتھ رُکے تھے۔

"اپنے ہوش میں ہیں آپ؟" غُصے سے کہتی وہ کھڑی ہوئی تھی۔

"یار بعد میں لڑ لیں گے، پہلے بات سن لیں میری" ماہرہ کے دل میں پتا نہیں کیا آیا کہ وہ صوفے پر اس کے قریب ذرا سا فاصلہ بنا کر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا ہے ؟"ماہرہ کی آنکھیں تو پہلے ہی سرخ تھیں، عفان کی سرخ آنکھیں دیکھ کر اس نے سوال کیا تھا۔

"سر درد" صرف اتنا کہہ کر وہ صوفے کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں موند گیا تھا۔

"سر درد ہے تو یہاں کیوں آئے ہیں؟ جانتے بھی ہیں کہ میرے پاس آکر سر درد شدید تر ہو جائے گا۔۔ جا کر میڈیسن لے کر تھوڑی دیر ریسٹ۔۔" مسلسل چلتی ماہرہ کی زبان کو بریک تب لگا جب عفان نے اُسے کھینچ کر خود سے قریب کِیا اور اپنا دوسرا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ کر اُسے خاموش کروایا۔

"تمہارے پاس آکر؟"اس کی بات سے معنی خیز لفظ نکال کر عفان نے اُسے خود میں اُلجھایا تھا۔

"مطلب میرے کمرے میں آکر۔"عفان کو اپنی بات کا مطلب سمجھاتی وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی ناکام کوشش میں تھی۔

"تمہارے قریب آکر نجانے کیوں ہر درد لاپتا ہو جاتا ہے۔ تمہارا لمس مجھے سکون بخشتا ہے۔" ماہرہ کا ہاتھ اپنے دل پر رکھتے اس نے کہا۔ اک پل کو ماہرہ کا دل لرزا تھا کیونکہ عفان کی آنکھیں اس کی سچائی کی گواہ تھیں۔

"بات کیا کرنی تھی آپ نے؟" اس نے اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش نہ کی تھی نہ ہی خود کو عفان کی گرفت سے نکالنا چاہا تھا۔

"مان جاؤ گی بات میری؟" عفان نے آہستہ آواز میں کہا تھا۔ خاموشی اس قدر تھی کہ رات کی تاریکی میں آسمان کو تو کیا زمین پر موجود دیوار بھی ان کی کہی ان کہی باتیں سن نہ پا رہے تھے۔

"اگر ماننے والی ہوئی تو" شان بے نیازی سے کہا گیا تھا جبکہ عفان نے اس کے جوڑے میں مقید بالوں کو کھول دیا تھا جس سے اسکے لمبے کرل ہوئے بال اس کے کندھوں اور کمر پر گرے تھے۔ دوپٹے سے بے نیاز بیٹھی وہ اپنے ہم سفر جو کہ اس کے لیے بالکل بھی قابلِ قبول نہ تھا مگر وہ اس کے پاس تحفظ و سکون محسوس کر رہی تھی۔۔

"مت کیا کریں یہ کام۔" اس نے واپس بال باندھنے چاہے تھے۔

"ہمیشہ کروں گا ایسے ہی۔" یہ سن کر اس نے نظریں جھکالیں تھیں۔

"رخصتی چاہتا ہوں میں" آرام سے کہتا وہ اسے بے سکون کر گیا تھا۔

" نفرت کرتی ہوں آپ سے " جھکی نظروں سے کہا گیا تھا۔

"تم نفرت کرتی رہنا میں محبت کرلوں گا" عفان کی باتیں، رات کی تاریکی و خنکی اس کے ہاتھوں پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں لے آئی تھی۔

"جائیں یہاں سے۔۔مجھے سونا ہے" عفان کا لہجہ اور اس کی نظریں ماہرہ کو بری طرح سے ڈسٹرب کر گئی تھیں۔ وہ محبت اور نفرت کی جنگ ہار رہی تھی۔

"میرا یہاں سے جانے کا بالکل دل نہیں۔۔" وہ مزید پھیلا تھا جس پر ماہرہ خفگی سے اُسے دیکھتی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑواتی اُٹھی تھی۔

"ٹھیک ہے میں ہی چلی جاتی ہوں" اس سے پہلے ماہرہ اس کی گرفت سے نکلتی عفان نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اُسے کھینچ کر خود کے قریب تر کیا تھا اور اب کی بار سچ میں ماہرہ کی جان نکلی تھی۔

"عفان پلیز" اس کو خود میں الجھتا دیکھ ماہرہ نے ناکام کوشش کی تھی۔

"شش مجھے محسوس کرنے دو" اس کے نازک لبوں پر اپنے لب رگڑتا وہ بولا جبکہ ماہرہ کی حالت ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ کر گزرتا ماہرہ کا فون مسلسل بجنا شروع ہو گیا تھا۔ عفان بھی ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔ وہ ماہرہ کو وہیں چھوڑ کر اُٹھ گیا تھا جبکہ وہ سرخ چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں چھُپا گئی تھی۔

"کل رُخصت ہو کر میرے کمرے میں آنا ہے آپ کو۔ خود کو اس سب کے لیے تیار رکھیں۔ آج آپ کی خود کے ساتھ آخری رات ہے۔ آپ کی زندگی کی اگلی تمام راتیں میرے نام ہوں گی۔ شب بخیر"

وہ یہ کہہ کر جا چکا تھا اس بات سے بے خبر کہ اس کے کیے گئے کارنامے ماہرہ کی شب بخیر رہنے ہی نہیں دے سکتے۔

....

سورج غروب ہونے کی تیاریوں میں تھا وہیں زہرہ کا دل بھی ڈوبا جا رہا تھا۔ وہ دلھن بنی بیٹھی اک انجان کے خود کا ہونے پر دھڑکتے دل کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

نکاح کی سب تیاریاں مکمل تھیں۔ نکاح کے فوراً بعد رخصتی کا بھی کہہ دیا گیا تھا۔ کہنے کو اس کا دل مردہ ہو گیا تھا ہاں مگر وہ اپنے گھر والوں کے لیے خوش نظر آ رہی تھی۔

مولوی صاحب برائیڈل روم میں آئے تو سب لڑکیوں نے اسکے سر پر دوپٹہ اوڑھایا۔

"دعا جاؤ ماہرہ کو بھیجو ذرا کمرے میں" دعا کو وہاں سے ہٹایا گیا تھا۔ کم سے کم دعا کو تو یہ ہی محسوس ہوا۔ وہ منہ بناتی کمرے سے نکلی جب اچانک کسی وجود سے ٹکرائی۔ کوئی بہت زور سے اس کے پاؤں پر چڑھا تھا۔

"اُفف میرا پاؤں توڑ دیا۔۔ آنکھیں ہیں یا بٹن؟" جب غُصے سے اس نے سامنے سے آنے والے کو دیکھا تو چیخی۔ وہ سارا غصہ حیدر پر نکال چُکی تھی۔

"میرے پاس تو آنکھیں ہی ہیں البتہ آپ کی آنکھوں میں یہ جو بڑے بڑے لینز ہیں شاید ان کی وجہ سے آپ نابینا ہو گئی ہیں۔ اتنا لمبا چوڑا آدمی نظر نہیں آیا آپ کو؟

حیدر کی طنزیہ بات اگنور کرتی وہ ماہرہ کو ڈھونڈنے لگی جو کہ عفان سے لڑ رہی تھی۔

"آپ کو میری بات سمجھ کیوں نہیں آ رہی عفان؟ میں ابھی اتنی جلدی کیسے رخصتی کے لیے مائینڈ تیار کر لوں؟" وہ لڑ رہی تھی۔

"میں نے فیصلہ سنا دیا ہے۔ دو منٹ کے اندر اندر برائیڈل روم پہنچو۔ کوئی مزید کارروائی کی تو دیکھنا ذرا" وہ یہ کہتا چلا گیا تھا جبکہ وہ بھی نا جانے کیوں دو منٹ کے اندر اندر برائیڈل روم میں تھی۔ پہلے زہرہ کا نکاح ہونا تھا۔ سب تیار بیٹھے تھے نکاح شروع کر دیا گیا۔ زہرہ کو لگا کہ اس کے پیروں سے جان نکل رہی ہے۔ وہ کسی اور کی ہونے جا رہی تھی۔

"نکاح شروع کریں مولوی صاحب۔" عفان نے یہ کہہ کر ماہرہ کی جانب دیکھا جس کا دوپٹہ کندھوں پر ہی تھا۔ اُسے ماہرہ کی بے وقوفیوں پر تپ چڑھی تھی۔ نکاح شروع کیا گیا تو وہ سائیڈ سے ہو کر ماہرہ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تھا۔ ماہرہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھی۔

"زہرہ وحید تمام گواہان کی موجودگی میں آپ کا نکاح سجاول میر کے ساتھ کِیا جاتا ہے کیا آپ کو قبول ہے؟" زہرہ کو محسوس ہوا کہ جیسے اس نے سجاول کا نام سنا ہے۔ اس نے نظریں اُٹھا کر ماں کو دیکھا تھا۔

"زہرہ وحید تمام گواہان کی موجودگی میں آپ کا نکاح سجاول میر کے ساتھ کِیا جاتا ہے کیا آپ کو قبول ہے" مولوی صاحب نے جب دوبارہ سجاول کا نام لیا تب سچ میں زہرہ کا سانس

بند ہوا تھا۔ وہ کیسے اُس کا نام لے سکتے تھے؟ وہ کیسے سجاول کی ہو سکتی تھی؟ ماں کے اشارہ کرنے پر زہرہ نے فوراً ہاں میں سر ہلایا تھا۔

"بیٹا! جی بولتے ہیں" نروس ہونے کی وجہ سے وہ بس تین دفعہ جی ہی بولی تھی۔ عفان نے ماہرہ کو دوپٹہ اوڑھنے کا کہا تھا۔

"مولوی صاحب دوسرے بچوں کا نکاح شروع کیجیے" کمرے میں اس وقت چند لوگ ہی تھے جن میں وحید صاحب، عفان، ماہرہ، زہرہ، صبا بیگم اور زمرد بیگم تھیں۔

"دوسرا نکاح کس کا؟" صبا بیگم کی بات پر عفان نے انھیں دیکھا تھا۔

"میرا اور ماہرہ کا" عفان کے کہنے پر صبا بیگم کا ہاتھ سر پر گیا تھا۔ ان کو اپنے ہاتھوں سے سونے کی چڑیا پھسلتی نظر آئی تھی جبکہ عفان مسکرایا تھا۔

"نکاح سے پہلے ہی سب کچھ ہو گیا ہو تو نکاح کی کیا ضرورت؟ حرام رشتہ ہی رکھ لیتے بیٹا" عفان کو ان کو ایسے ہی طنز کی امید تھی۔ وہ جانتا تھا صبا بیگم ضرور رنگ میں بھنگ ڈالیں گی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو صبا؟ کیا ہوا ہے نکاح سے پہلے؟"

وحید صاحب نے سالی کی بات پر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"بکواس کر رہی ہیں۔" عفان کے کہنے پر وہ بھڑک کر کمرے سے نکل گئی تھیں جبکہ وحید صاحب اور زمرد بیگم کو اپنے بیٹے کی بدتمیزی پر سخت غصہ اور ملال ہوا تھا۔

پہلے زہرہ کی رخصتی کا وقت تھا لیکن دونوں کپلز کی دلہنیں ایک ساتھ ہی برائیڈل رومز سے نکالی گئی تھیں۔

زہرہ تو سب کچھ بھول بھال کر بس اپنے ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں کو آپس میں جکڑے پریشان کھڑی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ چل کر اسٹیج کی طرف چلی جائے اور اوپر سے نیٹ کے دوپٹے کے بجائے بھاری دوپٹے کے سبب وہ اپنے اکلوتے شوہر کو دیکھ بھی نہ سک رہی تھی۔

اُسے سٹیج کی طرف لایا گیا تو اُسے لگا جیسے آج ابھی اس وقت اس کی جان نکل جائے گی۔ دعا نے زہرہ کا دوپٹہ چہرے سے ہٹایا، اس نے نظریں اُٹھائیں تو جھکانا بھول گئی۔

وہ شخص پوری آب و تاب سے کھڑا اس کی دل کی دھڑکنیں تیز کر گیا تھا۔ ہاں وہ وہی تھا سجاول میر۔ وہ انسان جس کے لیے اس لڑکی نے تہجد میں دعائیں مانگیں جو اس کے لبوں کی

آخری خواہش تھا جسے چاہنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ سجاول میر نے جب اس کی آنکھوں میں خود کے لیے دیوانگی دیکھی تو وہ خود بھی حیران رہ گیا تھا۔ اس نے زہرہ کی طرف ہاتھ بڑھایا جبکہ زہرہ کے ہاتھوں میں اتنی جان نہیں تھی کہ وہ اپنا ہاتھ سجاول کی ہتھیلی پر رکھ سکے۔ دعا نے زہرہ کا ہاتھ سجاول کے ہاتھ میں دیا جس پر اُسے محسوس ہوا کہ زہرہ کے ہاتھ یخ ٹھنڈے ہو رہے تھے جبکہ سجاول کے ہاتھ گرم تھے۔ اس نے اُسے اسٹیج پر لا کر بِٹھایا تھا۔ زہرہ خود حیران تھی کہ اُس کی آنکھ سے ایک بھی اشک کیوں نہ بہا تھا۔ وہ کیوں نہ روئی تھی۔ من پسند شخص پاس تھا، ساتھ تھا پھر بھی وہ کیوں نہ رو سکی تھی۔ وہ تو بس ساکت بیٹھی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

دوسری طرف ماہرہ مکمل طور پر شادی انجوائے کر رہی تھی۔ وہ صرف دس منٹ ہی سٹیج پر بیٹھی تھی۔ سب کو پہلے ہی اطلاع دے دی گئی تھی ماہرہ کے نکاح کی۔

کہنے کو یہ نکاح تب ہی ہو چکا تھا جب ماہرہ یوسف کو نکاح کا مطلب بھی معلوم نہیں تھا مگر آج جب نکاح کیا گیا تو اس لڑکی کی مرضی شامل تھی۔ یہ بات صرف چند لوگوں کو ہی معلوم تھی کہ ماہرہ یوسف عفان وحید کے نکاح میں تھی۔

"ارے ماہرہ بہت مبارک ہو" صبا بیگم اب بھی باز نہ آئی تھیں۔ماہرہ کو ہجوم میں کھڑے دیکھ کر آ پہنچی تھیں۔ماہرہ کو ان کے لہجے پر کچھ عجیب محسوس ہوا تھا۔

"کیا بات ہے ماہرہ؟ پسینے کیوں آرہے ہیں تمہیں؟ کل تم لوگوں کو میں نے گائنی وارڈ میں بھی دیکھا تھا؟ خیریت ہے نا؟" صبا بیگم نے مکمل طور پر جھوٹ بولتے ماہرہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی جبکہ آس پاس کے لوگ ماہرہ کو دیکھنے لگے تھے۔اس نے اردگرد عفان کو ڈھونڈنا چاہا مگر وہ وہاں نہیں تھا۔

"کیا فضول بول رہی ہیں آپ؟ ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں؟" ماہرہ کی بات پر لوگ مزید متوجہ ہوئے تھے۔

"ارے میں کیوں جھوٹ بولوں گی بھئی؟ میں نے خود تمہیں دیکھا تھا کل اور بھئی آپ لوگ بھی بتائیں ایک ہی دن میں نکاح ہونے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ بدنامی چھپانا ہی نا؟" صبا بیگم کی بات پر اس کا رنگ زرد ہوا تھا۔لوگ اس کو ایسے دیکھنے لگے تھے جیسے وہ کوئی اچھوت ہو۔

آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ سب گھر والے زہرہ کو لے کر برائڈل روم میں تھے اور اس بات کا فائدہ اُٹھا کر صبا بیگم نے یہ وار کِیا تھا۔ ماہرہ نے دل سے دعا کی تھی کہ کوئی تو مدد کے لیے آ جائے۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں ؟" اچانک کسی کی آواز پر ماہرہ نے نم آنکھوں سے پیچھے دیکھا تھا جہاں سجاول کھڑا تھا۔

"بھائی یہ جھوٹ بول رہی ہیں۔۔" کسی اپنے کو دیکھ کر ماہرہ رو پڑی تھی۔ اسے روتا دیکھ کر برائیڈل روم سے باہر آتا عفان بھی گھبرا کر اس طرف آیا تھا۔ ماہرہ کی ایسی حالت نہیں تھی کہ وہ سب کچھ بتا پاتی۔ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"عفان !!" عفان کو دیکھ کر وہ مزید سسکی تھی اور صبا بیگم کو موجود دیکھ کر عفان کے دل کو واقعی کچھ ہوا تھا۔

"انھیں گھر لے جاؤ۔ میں معاملہ پتا کرتا ہوں۔۔" سجاول نے عفان کی سرخ آنکھیں دیکھ کر کہا تھا۔

"مجھے بتاؤ معاملہ کیا ہے۔۔" اُس کے سسکیاں لیتے وجود کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیتے عفان نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تھا جس پر ماہرہ مزید رو پڑی تھی۔

"وہ اس حالت میں نہیں ہیں کہ کچھ بتا سکیں عفان۔۔۔" عفان کو سمجھاتے ہوئے سجاول نے اُسے جانے کا اِشارہ کیا تھا۔

"میں بتاتا ہوں نا۔۔ میں کِس مرض کی دوا ہوں؟" اچانک ایک کونے سے حیدر نِکلا تھا جس پر صبا بیگم نے اس افلاطون کو دیکھا۔

"اِن موصوفہ کا کہنا ہے کہ ماہرہ یوسف کا عفان وحید سے ناجائز تعلق رہا ہے جس کی وجہ سے کوئی ایسا کام ہو گیا ہے کہ ان کو نکاح کرنا پڑ رہا ہے" ڈھکے چھپے لفظوں کہتا وہ عفان کا پارہ ہائی کر گیا تھا۔

"آپکی ہمت کیسے ہوئی ہمارے پاکیزہ رشتے کو بدنام کرنے کی؟ آپ ہوتی کون ہیں کردار بھانپنے والیں؟" ماہرہ کو دعا کے پاس بٹھا کر وہ چلایا تھا۔

"پاکیزہ رشتہ؟ نکاح تو ابھی ہوا ہے نا؟ تو کل رات ایک بجے تم اس لڑکی کے کمرے میں کیا کرنے گئے تھے؟" سب کے سامنے صبا بیگم نجانے کیوں ان کو بدنام کر رہیں تھیں۔

"یہ لڑکی آج ہی نہیں پچھلے سترہ سال سے میرے عفان کے نکاح میں ہے زمرد۔۔۔اپنی زبان کو لگام دو۔ میرے عفان کی بیوی ہے یہ۔ آج کا نکاح محض فرض تھا جبکہ شرعی نکاح آج سے سترہ سال پہلے یوسف بھائی اور ثمرہ بھابی کی رضامندی سے ہو چکا تھا۔

زمرد بیگم کے انکشاف پر جہاں صبا بیگم کا چہرہ زرد پڑا وہیں عفان نے بہت مشکل سے ضبط کِیا تھا۔ وہ ماہرہ کا ہاتھ پکڑے اسے لے کر گھر کے لیے نکل گیا تھا جبکہ زہرہ کی رخصتی بھی سادگی سے کردی گئی تھی۔

....

"عون تم پاگل ہو گیا؟ اپنے بھائی اور بہن کا اتنا اہم دن چھوڑ کر یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ بچوں کی کاپیاں تیار کرتی ساتھ ساتھ عون کو بھی لتاڑ رہی تھی۔

"میرا دل نہیں لگتا وہاں" عون لاپرواہی دکھاتا اس کے بیڈ پر ہی لیٹ گیا تھا۔

"دل کہاں لگتا ہے میرے بیٹے کا؟" اس کی آخری بات سن کر اس کا جواب دیتی اس کی پھپھو کمرے میں آئیں تھیں۔

"آپ کے گھر" یہ بات عون وحید نے مرحا کو دیکھ کر کہی تھی جسے وہاں موجود دونوں لوگوں نے محسوس کیا تھا۔

"دل کو کہیں اور لگاؤ بچے۔" وہ یہ کہتی مسکرائی تھیں۔

"نہیں لگتا کیا کروں؟" اس نے پھر سے بیڈ پر بیٹھی مرحا کو نظر بھر کر دیکھا تھا۔ وہ اتنے دنوں بعد آیا تھا شاید اس لیے اس کی نظریں بھٹک بھٹک کر اس کی جانب جا رہی تھیں جو کہ سب محسوس کرنے کے باوجود کچھ بھی محسوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"خیر چلیں پھپھو ہم چلتے ہیں۔ لوگوں کے تو مزاج نہیں مل رہے" جب اس کا مرحا کو دیکھ دیکھ کر جی بھر گیا تو وہ اپنی پھپھو کے ساتھ روانہ ہو گیا تھا۔

مرحا کی طبعیت نہیں ٹھیک تھی جس کے سبب وہ آج گھر ہی رُک گئی تھی۔ مگر اس کا ارادہ ولیمے میں شرکت کا تھا۔

وہ گھر سب سے پہلے پہنچ گیا تھا۔ موسم نجانے کیوں ابر برسانے والا تھا جبکہ ماہرہ یوسف پہلے ہی آنکھوں سے بارش کرنے میں مصروف تھیں۔ وہ سارے

راستے چپ رہی تھی مگر گھر پہنچتے ہی رونے لگی تھی۔ عفان مسلسل دس منٹ اس کا رونے کا شغل دیکھتا رہا پھر خود ہی اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا جبکہ وہ پیچھے گُم صم سی سر صوفے سے ٹِکا گئی تھی۔ اُسے عفان کی توجہ کی عادت تھی۔ وہ یہ رویہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی جس کا علم عفان وحید کو بھی اچھے سے تھا۔ وہ کمرے میں چینج کرنے کی غرض سے آیا تھا مگر کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر اُسے عون پر غُصہ بھی آیا تھا اور پیار بھی۔ جن حالات میں شادی ہوئی تھی وہ فی الحال ماہرہ کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا مگر گہری رات، محرم رشتہ اوپر سے یہ پھولوں کی خوشبو اُس سے بہت کچھ کروا سکتی تھی۔

سب سے پہلے اس نے بیڈ پر پھیلے پھولوں کو اُٹھا کر ڈریسنگ روم میں پھینکا تھا پھر آہستہ آہستہ ہر سجاوٹ کو اتار دیا تھا۔ آج کی رات اُسے بہت سے سچ ماہرہ کو بتانے تھے۔کمرے کو سادہ حالت میں واپس لا کر عفان نیچے آیا تھا جہاں وہ میڈم ابھی بھی گُم صم بیٹھی تھیں ۔اِس سے پہلے وہ کچھ کہتا لاؤنج کی کھڑکی سے آتی آواز پر پلٹا تھا۔

"ابھی تک تم یہیں ہو؟ مجھے تو لگا تھا کہ آدھی سوہاگ۔ رات منا چکے ہو گے؟"
اس موقع پر ایسی بات صرف حیدر یوسف زئی ہی کر سکتا تھا۔ اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر ماہرہ کا چہرہ سرخ ہوا تھا جبکہ عفان نے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔

"بس کر کمر توڑے گا کیا؟ ابھی تو میں گھوڑی بھی نہیں چڑھا۔۔رحم کر مجھ پر۔ارے چھوڑ" اُس آفیسر کے ہتھے چڑھتے وہ چیخا تھا۔

"تجھے گھوڑی کی نہیں چار کندھوں کی ضرورت ہے" اس کی بات پر حیدر کا قہقہ گونجا تھا جسے دیکھ کر دروازے سے اندر داخل ہوتی دعا نے ماشاللہ کہا تھا۔ وہ تھا ہی اتنا پیارا سب کو اس پر پیار آجاتا تھا۔

"ایک بات سمجھ نہیں آئی بھابی" ماہرہ کے پاس بیٹھتے جس انداز سے اس نے کہا وہ ماہرہ کو حیران کر گیا۔ وہ لڑکا سال میں ایک بار آیا کرتا تھا۔ خاندانی خلش کی وجہ سے سب دور ہو گئے تھے مگر آج کیسے سب میں گھُل مِل کر بیٹھا ہوا تھا۔

یہ لڑکیاں اپنے سے بڑی رضائی کیوں لپیٹ لیتی ہیں؟" دعا خود کو خود سے" بڑی چادر میں ڈھانپ کر آئی تھی جس پر وہ چوٹ کر چُکا تھا۔

آپ جیسوں کی نظروں سے خود کو محفوظ کرنے کے لیے" انتہائی شریفانہ انداز" میں کہتی وہ کمرے کی طرف چلی گئی تھی جبکہ حیدر بھی مسکرایا تھا۔ وہ واحد لڑکی تھی جس کی بات کا بُرا خود حیدر یوسف زئی بھی نہیں مناتا تھا۔

اس کے بعد کئی رسمیں کی گئی تھیں۔ دعا تو سادہ سے حلیے میں گھر کو سنبھالنے میں ہی مصروف رہی۔ حیدر رات تین بجے تک وہیں تھا تب ہی حیدر صاحب نے اسے رات کو گھر جانے کے بجائے خود کے پاس روک لیا تھا۔

سب کمروں میں جا چُکے تھے جبکہ دعا کچن میں کافی بنا رہی تھی۔اُسے محسوس ہوا تھا کہ حیدر اسکی بات کا برا منا گیا ہے تب ہی وہ اب تک اس کے اِرد گِرد نہیں بھٹکا۔

رات کے تین بج کر دس منٹ پر وہ گیسٹ روم کے باہر کھڑی تھی۔ وہ اس کشمکش میں تھی کہ اندر جائے نا جائے جب اچانک ہوا کے تیز جھونکے کی وجہ

سے اُسے کپکپی چڑھی تھی۔وہ واپس جانے لگی، اسی وقت حیدر نے دروازہ کھولا تھا۔

خیریت ہے؟ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" حیدر کے لہجے میں سختی نہیں تھی ہاں" مگر نرمی بھی نہیں تھی اور وہ سدا کی نرم لہجوں کی عادی کہاں برداشت کرتی تھی کسی کی بات۔؟

حیدر آپ ناراض ہیں؟" اس کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔"

نہیں" وہ واپس کمرے میں چلا گیا تھا جبکہ اس کی بے مروتی دعا کو زہر لگی" تھی۔

مجھ سے بات کریں حیدر" وہ بلاجھجک کمرے میں آئی تھی۔"

کمرے میں جائیں اپنے۔ اس پہر اگر کسی نے آپ کو میرے پاس دیکھ لیا تو" جانتی ہیں سب کیا سوچیں گے؟" اب کی بار اس کے لہجے میں سختی تھی۔

سب مجھے جانتے ہیں اور آپ کو مجھ سے بھی بڑھ کر جانتے ہیں" ایک مان" سے کہا گیا تھا۔

حیدر کو حیدر خود نہیں جانتا۔ دنیا والے کیا جانیں گے؟" وہی سدا کا مغرور"
حیدر کا جملہ۔
آپ کو میری بات بری لگی تو معذرت۔" وہ یہ کہہ کر باہر جانے لگی تھی۔"
"آج کے بعد مجھ سے کبھی بات مت کرنا دعا وحید"
ظالم نے کتنا سخت جملہ کہا تھا نا۔ یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس کے نرم لہجے کی عادی ہوگئی ہے۔ ہمیشہ یہ ہی تو ہوتا آیا ہے عاشق کی چاہ محبوب کا دل بدل دیتی ہے۔۔ وہ چُپ چاپ کمرے سے نکل آئی تھی۔ بغیر کسی وجہ کے سزا سنائی جانے پر وہ خاموش ہوگئی تھی۔

....

اُسے تو کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔ کب کیسے رُخصتی ہوئی وہ بس چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ جب گاڑی رُکی تو اس کی نظر باہر پڑی جہاں سے نظر ہٹانا تقریباً سب ہی بھول جاتے۔ بڑی سی خوبصورت حویلی کو پھولوں اور لائٹوں سے اس قدر سجایا گیا تھا کہ وہ حویلی

نہیں جنت کا ایک ٹکڑا الگ رہی تھی۔ سب اس کی قسمت پر رشک کر رہے تھے جبکہ وہ خود حیران تھی۔

"اِس قابل تو نہیں تھی میں۔۔" زیرِ لب بڑبڑاہٹ کی گئی تھی۔ سجاول گاڑی سے اُترا اور اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اُسکی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔ اس نے خود کو ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تو ایسا لگا جیسے دنیا بھر میں خوشیوں کا راج ہے بس۔

گھر کے اندرونی دروازے پر لاتعداد بکرے لا کر کھڑے کیے گئے تھے۔

"بیٹا ان پر ہاتھ رکھیں یہ صدقے کے بکرے ہیں"

اس کو ہچکچاتا دیکھ کر دادی نے کہا جس پر اس نے بڑے بڑے بکروں کو دیکھا۔ سجاول نے مسکراہٹ دباتے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آہستگی سے بکروں پر ہاتھ پھیرا تھا۔ گھر کے اندر دونوں کو لا کر بہت سی رسمیں کی گئی تھیں۔ ان میں ایک رسم دودھ میں سے انگوٹھی ڈھونڈنے کی بھی تھی۔ سجاول اور زہرہ کا ہاتھ دودھ والے تھال میں ڈالا گیا تھا۔ انگوٹھی ڈھونڈنے کے لیے زہرہ کا ہاتھ جو پہلے ہی ٹھنڈا ہو رہا تھا وہ دودھ میں ڈال کر مزید ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ سجاول نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ کے پاس سے انگوٹھی گزری ہے مگر

اس نے وہ زہرہ کے آگے کر دی جبکہ زہرہ کو جب وہ انگوٹھی ملی تو اس نے سجاول کی طرف کر دی جس کو محسوس کرتیں دادی بیگم مسکرائی تھیں اور یوں ہی رسموں کے بعد اُسے کمرے میں پہنچادیا گیا تھا۔ کمرہ تو جیسے اک محل تھا۔۔۔ بہت خوبصورت۔۔۔ ہر جگہ پھول ہی پھول تھے۔ زہرہ بی-ڈپر بیٹھی کمرے کا معائنہ کر رہی تھی جب دروازے کا لاک کھُلا اور اس کا سانس رکا تھا۔

وہ قدم قدم چلتا اس کے نزدیک آیا تھا۔ وہ اُسے پاس بیٹھتا محسوس کر رہی تھی جب اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے اپنا پرس دیکھا جہاں فون بج رہا تھا اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ فون اٹھالیتی۔

"کون ہے جو اس وقت ہمیں ڈسٹرب کر رہا؟" نہ سلام نہ دعا سجاول کے منہ سے بس یہ ہی نکلا تھا جس کو سن کر زہرہ بھڑکی تھی۔

"ہاں جو لوگ پھنسائے ہوئے ہیں میں نے، وہ ہی ہیں۔"

تنک کر جواب دیتی وہ سجاول کے ہاتھ سے خود کا فون لے چکی تھی۔

"فضول مت بولا کریں" وہ دوبارہ اس کا فون لے کر آف کر چکا تھا۔

"بولوں گی کیا کرلیں گے اور ہیں ہی کون آپ؟" عجب قسم کی بے نیازی سے کہا گیا تھا۔

"میں آج بہت کچھ کر جاؤں گا زہرہ سجاول میر۔۔ لہٰذا مجھے خود پہچان لیں۔" سجاول نے اس کی ناک پر سجی نتھلی کو انگلیوں کی پوروں سے چھیڑتے کہا تھا۔

"ہٹیں مجھے چینج کرنے دیں۔" وہ اُسے خود سے پیچھے کرتی بولی تھی۔

"جائیں" وہ شرافت کا مظاہرہ کرتا ہٹ بھی گیا تھا۔ وہ واشروم کی طرف بڑھ گئی تھی اور پورے دو منٹ بعد وہ واشروم سے باہر تھی۔

"میرے کپڑے؟؟" برے برے منہ بناتی وہ سوال کر رہی تھی۔

"الماری میں دیکھو۔ دادی نے سیٹ کروا دیے ہوں گے"

سجاول کے کہنے پر اس نے الماری کھولی جہاں سجاول کے کالے سیاہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

"نہیں ہیں یہاں" وہ لال ہوتی آنکھوں کو مسل رہی تھی۔

"اوہ! چلو میں لے آتا ہوں کسی سے پوچھ کے" وہ اُٹھ کر جانے گا جب سجاول کا ہاتھ اس نے تھاما تھا۔

"ابھی نہ جائیں۔۔" سجاول نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"ساری رات کیسے گزاریں گی اِن کپڑوں میں ؟" سوال کِیا گیا۔

" آپ اس ٹائم جائیں گے ،وہ بھی کپڑے لینے ؟ حد ہے۔۔۔ سجاول میر سب مذاق اُڑائیں گے۔۔" ڈھکی چھپی بات سمجھ کر وہ بے اختیار مسکرایا تھا جبکہ اتنے پاس سے سجاول کو دیکھتی وہ بھی مسکرائی تھی۔

"ہاں ناویسے تو آپ نے کچھ کرنا نہیں۔ میں آپ کے کپڑے ہی پہن لیتی ہوں" دو منٹ لگے تھے بس اس کو یہ کہنے میں جبکہ سجاول نے اُسے کمر سے کھینچ کر واپس خود کے قریب تر کیا تھا۔

" جان میری !وقت دے رہا ہوں۔۔ سب کچھ قبول کرنے کے لیے آپ کو" اس کی بات سن کر زہرہ نے حیرت سے اسکی طرف دیکھا۔

"تو شادی کیوں کی ؟ وقت ہی دینا تھا تو" منہ بسور کر کہتی وہ اُسے خود کی جانب بری طرح مائل کر رہی تھی۔

" تھکی ہوئی نہیں ہیں ؟" اس کی نظروں کی خماری کو نظر انداز کرتا وہ پوچھ رہا تھا۔

"تھک گئی ہوں ناشدید۔ مزید پاس رہ کر بھی دور رہے تو مر جاؤں گی۔۔۔" اس کے مزید بولنے سے پہلے ہی وہ اسے خود میں الجھا گیا تھا جبکہ اس کی زہرہ کی طرف بڑھتی جسارتیں ہجر کی ہر کمی کو پورا کرنے کی کوشش میں تھیں۔

دوسری طرف رسموں کے بعد ماہرہ اور عفان کو بھی کمرے میں بھیج دیا گیا تھا۔ وحید صاحب کے گھر کے مکین پر سکون نیند لے رہے تھے جبہ عفان کے کمرے کا منظر دیکھ کر شاید سب ہی مسکرا دیتے۔ رات کے تین بجے وہ اُس کے بالوں میں لگی جوڑے میں لگی پِنز اُتار رہا تھا اور وہ نیند سے سرخ ہوتی آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ کچھ ہی پل گزرے تھے وہ مکمل سو گئی تھی۔ عفان کے سینے سے ٹیک لگائے وہ مکمل نیند کی آغوش میں تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا اور یوں ہی اس کو آرام دہ بستر پر لٹا کر وہ ٹیرس پر چلا گیا تھا۔ اُسے ہر حال میں جازیہ کو بچانا تھا جس کی وجہ سے وہ سو بھی نہیں سکتا تھا۔

"شادی مبارک" ابھی وہ سیگریٹ سلگا ہی رہا تھا جب میسج کی بجتی رنگ ٹون نے اُسے خود کی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ مسکرایا تھا جازیہ کے مبارک دینے پر۔۔اس نے کال ملائی تو اُٹھالی گئی۔

"کیسے ہیں آفیسر؟" جازیہ کی ہشاش بشاش آواز پر وہ زیادہ نہیں تو تھوڑا پر سکون ہوا تھا۔

"تم کیسی ہو؟" وہ جو سوئی مخلوق اندر اس کے بستر پر آرام کر رہی تھی اچانک اسے کسی صنفِ نازک سے بات کرتا دیکھ ماہرہ کے احساسات جاگے تھے۔ وہ تو خود حیران تھی کہ اچانک اس کی آنکھ کیسے کھل گئی؟

"میں ٹھیک ہوں۔ جاگ کیوں رہے ہیں؟ آپ کیسی ہیں؟ اس کے سوالوں پر عفان نے جھرجھری لی تھی۔

"سب ٹھیک ہیں لڑکی اور نیند نہیں آرہی مجھے اس وجہ سے میں سویا نہیں ابھی تک" عفان نے جاگنے کی وجہ بتائی تھی۔

ماہرہ نے ارد گرد دیکھا جہاں ہر سو اندھیرا تھا۔ عفان کی آواز ٹیرس سے آرہی تھی۔

"ہاں ہاں آج تو نیندیں اُڑنی ہی چاہییں" جازیہ کی بات پر وہ قہقہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔ تین بجے تک میں اُس کے بال سُلجھاتا رہا ہوں اور پھر وہ سو گئی تو میں نے بھی ڈسٹرب نہیں کِیا" عفان کی بات سن کر ماہرہ جو کہ ٹیرس پر آئی تھی حیرانی سے اُسے دیکھ رہی تھی جو کہ اپنی باتیں نجانے کس کو بتا رہا تھا۔

"کون ہے کال پر؟" اس سے پہلے وہ جازیہ کی کچھ سنتا ماہرہ کی آواز پر پلٹا تھا۔

"بات کروائیں میری اِن سے" اس کے کان پر جازیہ بولی تھی اور وہ بس سوچ کر رہ گیا تھا۔

"کچھ پوچھ رہی ہوں" تھانیدارنی کی طرح پوچھتی وہ عفان کو حیران کر گئی تھی۔ وہ کال کاٹتا اس کی طرف آیا تھا۔

"کوئی نہیں۔۔۔ دوست تھا ایک" عفان کے نظر انداز کرنے پر وہ مزید کشمکش میں مبتلا ہوئی تھی۔

"ایسا کون سا دوست ہے جس سے رات کے چار بجے بات ہو رہی ہے؟" اب کی بار عفان کو غصہ آیا تھا مگر وہ ضبط کر گیا تھا۔

"جا کر سو جائیں۔ یقین کر لیا کریں میرا۔ دوست ہی تھا میرا" وہ یہ کہتا کمرے میں چلا گیا تھا جبکہ ماہرہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی.

وہ صبح اُٹھی تو آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ بستر پر شکنیں بھی نہیں تھیں کہ جیسے کوئی پاس آیا ہی نہ ہو۔ کمرہ ہر قسم کے پھولوں سے آزاد تھا۔ یہاں تک کے اُسے ایک پل کو یہ محسوس ہوا تھا کہ جیسے وہ اس کمرے کو پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیوار پر سجاول کی تصویر ڈھونڈی تو اُسے وہ بھی کہیں نہیں ملی۔

"کیا سب اِک خواب تھا؟" اس کے لبوں سے فقط یہ ہی ادا ہوا تھا اور وہ فوراً سے پیشتر نیچے کی جانب بھاگی تھی۔ ننگے پاؤں نیچے آنے میں اس کو بس پانچ سیکنڈ لگے تھے جبکہ حیدر جو کہ گاڑی کو لاک کر کے اندر آرہا تھا زہرہ کو یوں دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔

وہ دروازے کی طرف بھاگی تھی جب اچانک حیدر نے اُس کا بازو تھام کر اُسے روکا تھا۔

"کہاں جارہی ہیں؟ کیا ہوا ہے؟" زہرہ کو سجاول کی شرٹ ٹراؤزر میں ملبوس دیکھ کر وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصِر تھا کہ وہ نئی نویلی دلہن اس وقت ایسے حلیے میں کہاں جارہی تھی۔

"وہ سجاول۔۔ سجاول کے پاس جانا ہے" وہ رونے لگی تھی جبکہ سب اُس کو دیکھ کر حیران تھے اِتنے میں سجاول میر گھر میں داخِل ہوا تھا۔

سیاہ رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس، چادر کاندھوں پر ڈالے ہوئے وہ جواد کے ساتھ آیا تھا اور زہرہ کو یوں دیکھ کر واقعی میں اس کا سر گھوما تھا۔

"سجاول۔۔۔" وہ بھاگ کر اس کے پاس گئی تھی جیسے صرف وہ ہی اس کا سائبان تھا۔

"کمرے میں چلیں۔۔" وہ بغیر کسی کی بھی سنے زہرہ کو لے کر کمرے میں چلا گیا تھا۔

....

دوسری طرف وہ صبح اُٹھی تو پہلی نظر ہی سامنے بیڈ پر لیٹے عفان پر پڑی جو کہ مکمل نیند میں تھا۔ رات کو ان کی مزید کوئی بات نہیں ہوئی تھی جبکہ وہ بھی غصے میں صوفے پر ہی سوئی تھی۔ ابھی وہ اُٹھ کر صرف واشروم گئی تھی جب وہ بھی بیدار ہو گیا تھا۔ واشروم سے پانی گِرنے کی آواز پر واپس بیڈ پر لیٹ کر اُسے رات اپنا رویہ یاد آیا تھا۔

"کیوں کر جاتے ہو اُس پر غصہ؟" دل نے دماغ سے سوال کِیا تھا۔

"پنگے بھی تو وہ ہی لیتی ہے" دماغ نے فوراً کہا تھا۔ دل و دماغ کی جنگ میں مصروف وہ یہ بھی محسوس نہ کر سکا تھا کہ دروازہ کب سے بج رہا تھا۔ وہ باہر آئی تو دروازہ کھولا۔

"السلام علیکم! صبح بخیر" صبح صبح مرحا کی آواز پر وہ مسکرائی تھی۔

"آؤ۔۔باہر کیوں کھڑی ہو؟"اس نے مرحا کو اندر آنے کا کہا تھا جبکہ وہ جھجک کر اندر آئی تھی تب تک عفان واشروم میں جا چکا تھا۔

"پیاری لگ رہی ہیں"" وہ آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی جب مرحا نے کہا تھا۔

"عفان بھائی نے منہ دکھائی میں کیا دیا؟"دو چار کزنز اور بھی تھیں جو کہ اس سے سوال کر رہی تھیں۔

"دھوکہ" یہ لفظ کہنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔وہ لاکھ دماغ سے کہتی مگر دل میں یہ بات تھی کہ عفان ایسا نہیں۔

"وہ۔۔وہ یہ چین دی تھی"اس نے اپنی ہی چین جو وہ خود خرید کر لائی تھی سب کو دِکھا کر عفان کا بھرم رکھا تھا جبکہ عفان نے اُسے گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

"چلیں آپ تیار ہو کر آئیں۔۔ہم جا رہے ہیں"مرحا ہی آخر ان کو لے کر اُٹھی تھی جبکہ ان لڑکیوں کا اُٹھنے کا ارادہ نہ تھا۔

"وہ۔۔۔یہ منہ دِکھائی تمہاری۔۔" نجانے کیوں مگر وہ شرمندگی سے بولا تھا۔ماہرہ کو محسوس ہوا تھا۔ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا باکس دیکھ کر وہ تلخی سے مسکراتی نیچے چلی گئی تھی اور وہ شادی کی صبح یوں برباد ہونے پر بڑبڑایا تھا۔

"مرحا!ذرادیکھناعون کمرے سے کیوں نہیں آیا ابھی تک۔۔میں یہ ناشتہ لگوالوں" مرحا جو کہ چائے کپ میں ڈال رہی تھی زمرد بیگم کی بات سن کر اس نے ماں کی طرف دیکھا تھا جنھوں نے اسے اشارے سے جانے کا کہا تھا۔

"مجھے تم سے بات کرنی تھی۔میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ کیوں نا میں عون کی بھی شادی کر دوں؟" اس کے جاتے ہی زمرد بیگم نے وحید صاحب اور ان کی بہن کے سامنے یہ ذکر کیا تھا۔

"جی بھابی ماشاءاللہ اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں آپ۔۔پھر بس دعارہ جائے گی" زمرد بیگم بولیں۔

"میں چاہتی ہوں کہ آج ہی اپنے عون کا بھی نکاح کر دوں اور ساتھ ہی ریسیپشن؟"زمرد بیگم کے ہتھیلی پر سرسوں جمانے پر وحید صاحب مسکرائے تھے۔

"ارے بھابی اتنی جلدی لڑکی کہاں سے ملے گی اور باقی تیاریاں؟"زہرہ کی پھپو کی بات پر وہ مسکرائی تھیں۔

"لڑکی ہے میری نظر میں۔بس اس کی پیاری ماں مان جائے"زمرد بیگم نے رسان سے کہا تھا۔

"ہاں مگر اتنی جلدی کیسے؟؟کہاں ہے لڑکی کی ماں؟"ان کی بات پر دونوں ہی مسکرائے تھے۔

"بھئی میں تم سے تمہاری پیاری سی مرحا کو اپنے بیٹے کے لیے مانگتی ہوں۔کیا تم میری درخواست قبول کرو گی؟"زمرد بیگم نے نم آنکھوں سے کہا جبکہ ان کی اپنی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے سب مان گئے تھے فقط مرحا اور عون لاعلم تھے۔

....

"کیوں باہر اس طرح آگئی تھیں؟کیا ہوا تھا زہرہ؟

وہ اب اسے پاس بٹھائے پوچھ رہا تھا جبکہ اس کے دونوں ہاتھ زہرہ نے اپنے ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

"کچھ پوچھ رہا ہوں میں زہرہ؟" اس کی نم ہوتی آنکھیں دیکھ کر اس نے سوال کِیا تھا۔

"مجھے لگا۔۔" وہ ہچکیاں لینے لگی تھی۔

"مجھے لگا تھا کہ آپ کو مجھ سے پھر کوئی لے گیا۔۔ آپ کی تصویر بھی نہیں تھی۔۔" ہچکیوں میں بس وہ یہی کہہ سکی تھی۔

"میری جان۔۔ اب جو ہمارا رشتہ ہے نا اس رشتے کی وجہ سے کوئی مجھے آپ سے دور نہیں کر سکتا زہرہ۔۔۔ کوئی بھی نہیں" وہ اُسے پیار سے سمجھا رہا تھا۔

"اٹھیں تیار ہوں جلدی سے۔۔ پھر ناشتہ کرنے جائیں گے۔ ایشال، دعا اور حیدر آئے ہوئے ہیں۔ زہرہ نے اپنا حلیہ دیکھا تو وہ واشروم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

....

وہ قدم قدم چلتی اس کے کمرے کی طرف آئی تو دروازہ پہلے ہی بند دیکھ کر اس نے شکر کیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ایک دفعہ دستک دے کر واپس چلی جائے گی جبکہ جیسے ہی اس نے

دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے ہاتھ اُٹھایا دروازہ اس کے پاؤں کی ٹھوکر کی وجہ سے کھُلتا چلا گیا۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔ اندر کا منظر دیکھ کر مرحا نے جھرجھری لی تھی۔ کمرہ ٹھنڈا یخ ہو رہا تھا جبکہ اے سی بند تھا۔ یعنی کچھ دیر پہلے ہی لائٹ جانے کی وجہ سے اے سی بند ہوا تھا۔ اس نے عون کو دیکھا جو کہ بستر میں چھُپا سویا ہوا تھا۔

"عون! عون!! اٹھو" اس نے کوئی دس دفعہ اُسے اُٹھایا تھا مگر وہ ڈھیٹ سوتا رہا تھا۔ نیند میں ایک دفعہ اس نے مرحا کو دیکھ کر مرحا کا نام لیا مگر پھر دوبارہ سو گیا تھا۔ مرحا نیچے آئی تو ماں کو آنسو پونچھتا دیکھ کر فوراً اُن کے پاس آئی تھی۔

"کیوں رو رہی ہیں؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ ماں کو دیکھ کر سخت پریشان ہوئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے" اس موقع پر ماں کی بات کو نظر انداز کرتی وہ پریشان ہو کر سب کو دیکھ رہی تھی۔

"مرحا بچے۔۔ پریشان نہیں ہوتے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔" ممانی کی بات پر وہ الجھی تھی۔

"مگر امی رو کیوں رہی ہیں؟" اس نے سوال کِیا تھا۔

"وہ تمہاری ممانی نے روز کی تمہاری ڈیوٹی لگا دی ہے نا کہ عون کو تم اُٹھاؤ گی اس وجہ سے شاید رو رہی ہیں" وحید صاحب کی بات پر وہ پوری گھومی تھی۔

"بچے جاؤ ابھی ناشتہ کرو۔۔" ناشتے کے بعد جب مرحا کو بتایا گیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو ہی نہیں رک رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ عون اس کا ہو۔

....

ماہرہ اور عفان کی شادی کی وجہ سے زمرد بیگم نہیں گئی تھیں زہرہ کی طرف۔ دعا، حیدر اور اس کی ایک کزن ناشتہ لے کر گئی تھی۔ وہ تیار ہو کر آئی تو سجاول ویسے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ ڈیپ ریڈ کلر کی شارٹ فراک کے ساتھ فلیپر پہنے، دوپٹہ کندھے پر ڈالے وہ بالوں کو کھولے بالکل تیار کھڑی تھی۔ سجاول اُسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ ایک رات نے اُسے کتنا مکمل کر دیا تھا۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں؟" سجاول کو مسلسل خود کی طرف تکتا پا کر اُس نے سوال کِیا تھا۔

"اِن آنکھوں کو میں نے کتنا رُلایا ہے نا؟" زہرہ کی سوجی آنکھوں پر باری باری محبت کی مہر ثابت کرتے اس نے کہا تھا۔ زہرہ مسکرادی۔

"روتی آنکھوں کو ہنسایا بھی تو آپ نے ہی ہے"

اس نے سجاول کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے کہا تھا۔

"میرے ساتھ ہمیشہ رہو گی نا؟ سچ کہوں تو مجھے ایک دن میں ہی تمہاری عادت ہو گئی ہے۔ سجاول میر کو کبھی کسی کی اتنی عادت نہیں ہوئی جتنی تمہاری ہو گئی ہے۔" اس نے زہرہ کا ہاتھ دل پر رکھتے کہا تھا۔

"مر جاؤں گی، چھوڑوں گی نہیں" زہرہ کی بات پر اس کا ڈمپل نظر آیا تھا۔

"کس پر مر جائیں گی؟" زہرہ کی دونوں کلائیاں اپنے ہاتھ میں لیتے اس نے سوال کِیا تھا۔

"آپ کے علاوہ کِس پر مر سکتی ہوں؟ کوئی اتنا پیارا ہے کیا؟" اس کے بے ساختہ کہنے پر سجاول میر کا قہقہ گونجا تھا۔

"اگر آپ لوگوں کا رومانس ہو گیا ہو تو برائے مہربانی باہر آجائیں ہمارے پیٹ میں ہاتھی ریس لگا رہے ہیں۔" حیدر کی آواز پر وہ بوکھلا کر دور ہوئے تھے اور پھر شرافت کا مظاہرہ کرتے نیچے آ گئے تھے۔

وہ سو کر اُٹھا تو دن کا ایک بجنے والا تھا۔ اُسے خود کی بے تحاشا نیند پر غصہ آیا تھا۔ جلدی سے فریش ہو تا وہ نیچے آیا تو سب اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔

"کیا ضرورت تھی اُٹھنے کی؟ دو چار روز سو کر جاگ لیتے یا ایک مہینے کے لیے فوت ہی ہو جاتے تم ذلیل انسان۔" عفان کی غصے سے بھری آواز پر وہ شرمندہ ہوا تھا۔

"یار سوری یار بھائی" وہ معافی مانگتا کچن میں چلا آیا جہاں مرحا کی آنکھوں میں اُسے نمی محسوس ہوئی۔

"سنو۔۔ ناشتہ بنا دو" مرحا سے کہتا وہ فون میں مصروف ہو گیا تھا۔

عون!" وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ پریشان ہوا تھا۔

"تم۔۔۔ منع کر دو میں یہ۔۔۔ یہ شادی نہیں کرنا چاہتی"

مرحا کی بات اندر آتے وحید صاحب، زمرد بیگم اور مرحا کی ماں نے سنی تھی اور عون یہ سن کر پریشان ہوا تھا۔

"کس کی شادی؟ کیا بول رہی ہو؟" جب مرحا کچھ نہ بولی تو وحید صاحب نے اُسے حرف بہ حرف ہر بات بتادی۔

"واٹ؟ تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی؟" عون نے چلا کر کہا تھا۔ جو چیز اس کا خواب تھی اب جب وہ ہونے جارہی تھی تو مرحا رولا ڈال کر بیٹھ گئی تھی۔

"نہیں" یک لفظی جواب دے کر وہ رخ پھیر گئی تھی جبکہ عون کی آنکھوں میں کچھ بے ساختہ ٹوٹا تھا۔

"اوکے۔۔ ناٹ آ بِگ ڈیل۔ آپ لوگ یہ فیصلہ ترک کر دیں۔ وہ نہیں چاہتی یہ ہی کافی ہے۔۔ ہو سکتا ہے انھیں مجھ سے بہتر کوئی مِل جائے" وہ بہت نارمل انداز میں بول رہا تھا جبکہ مرحا نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔ وہ عون کو دکھ دے گئی تھی۔

"مگر ہم سب کو انفارم کر چکے ہیں۔ سب تیاریاں مکمل ہیں بیٹے" زمرد بیگم پریشان ہو کر بولی تھیں۔

"ایک بار آپ اِن کا نام میرے نام کے ساتھ لگانے سے پہلے اِن سے پوچھ ہی لیتے۔ کیا ضرورت تھی سب کو بتانے کی؟ حد کرتے ہیں آپ لوگ بھی" وہ اب کی بار غصے سے بولا تھا۔

"خیر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرے بھائی سب کو انفارم کر چکے ہیں اور میں ان کا سر ہر گز جھکنے نہیں دوں گی۔ مرحا کا نکاح آج ہی ہو گا اور تم سے ہی ہو گا ورنہ میں اس سے ساری عمر بات نہیں کروں گی" وہ اپنی ہی ماں کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"نہیں پھپوا ایسے رشتے نہیں بنتے۔ میں نہیں چاہتا ایسے زبردستی کیا گیا رشتہ۔ میں خود سب کو منع کر دیتا ہوں" اسے فون نکالتا دیکھ کر مرحا نے اپنی ماں کی نظروں میں ناراضگی دیکھ لی تھی۔

"مجھے منظور ہے" وہ نم آواز سے کہتی کچن سے چلی گئی تھی جبکہ ان تینوں نے شکر ادا کیا۔

عون تب بھی خاموش رہا تھا۔

وہ مبارک وقت بھی آ ہی گیا تھا۔ تین سٹیج تیار کیے گئے تھے۔ زہرہ اور سجاول کے لیے، جہاں زہرہ لائٹ پنک کلر کیمیکسی پہنے، برائیڈل میک اپ میں ایسی کِھل رہی تھی جیسے گُلاب کا پھول جبکہ سجاول بلیک تھری پیس میں شہزادہ لگ رہا تھا۔ دوسرا سٹیج تھا ماہرہ اور عفان کا جہاں ماہرہ لائٹ گرین کلر کی میکسی میں ملبوس اچھی لگ رہی تھی اور رہی بات مرحا کی وہ تو جیسے شہزادی لگ رہی تھی۔ ارجنٹ فراک ارینج کیا گیا تھا جس کی قیمت اس نے اُسے پہن کر بڑھا دی تھی۔ لمبی وائٹ فراک کے ساتھ ریڈ ڈوپٹہ پِن اپ کیے، گہرا میک اَپ جو کہ اُسے مزید خوب صورت بنا رہا تھا مگر حیرت کی بات یہ تھی اس حسن کے دیوانے نے ایک بار بھی نظر اُٹھا کر نکاح کے بعد اسے نہیں دیکھا تھا۔ نکاح کے ساتھ رخصتی بھی رکھ دی گئی تھی جس پر کسی نے واویلا نہیں کیا تھا۔ اس آناً فاناً نکاح کو سب نے ہی قبول کیا تھا۔

"جیسے جیسے وقت قریب آرہا تھا مرحا کا دل گھبرا رہا تھا۔ اسے عون کے رویے سے ڈر لگ رہا تھا۔ بائیس سالوں میں پہلی دفعہ وہ یوں اس سے ناراض ہوا تھا۔ جب سے ہوش سنبھالا تھا اس نے عون کو ہی اپنا ہمدرد پایا تھا اور آج وہ انجانے میں اُسے دُکھ دے گئی تھی۔

"میرا کوئی میکا ہی نہیں ہے۔ مین نے بھی ولیمے کے بعد والی رسم پوری کرنی ہے" وہ بچوں کی طرح منہ پھُلا کر بیٹھی ہوئی تھی اور عفان اس کی بات سن کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"پہلے بارات والے حق و فرض تو ادا کر لیں" معنی خیز بات پر اس نے شرم سے نظریں جھُکائی تھیں جبکہ اس بات پر اس کی بدلتی رنگت دیکھ کر وہ قہقہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"مذاق کے علاوہ کہہ رہا ہوں۔ اپنا دل مضبوط کر کے آیئے گا آج۔۔ میں نفی کے علاوہ ہر چیز سنوں گا۔۔ اور ہر معاملہ کلیئر کروں گا" اس کی بات پر ماہرہ کے ہاتھوں سے پسینے چھوٹے تھے۔

"بے شرم" زیرِ لب بڑبڑا کر وہ عفان سے تھوڑا دور ہو کر بیٹھ گئی تھی جبکہ عفان کی حرکت پر بہت مشکل سے قہقہ روکے بیٹھا تھا۔

گھڑی رات کا ایک بجا رہی تھی۔ وہ عون کے کمرے میں اس کی دُلہن کے روپ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بدلے کے طور پر عفان نے عون کا کمرہ اپنے کمرے سے بڑھ کر سجایا تھا۔
کمرے کی خوبصورت سجاوٹ دیکھ کر ایک پل کو تو مرحا بھی مسمرائز ہوئی تھی۔ بیڈ پر بیٹھی وہ سوچ رہی تھی کہ اُس کا انتظار کرے یا نہ کرے۔ وہ جسے بری طرح جھُٹلا چکی تھی، اس کا دل دُکھا چکی تھی اب کیسے وہ اس کا سامنا کرے گی۔ وہ اُٹھ کر آئینے کے سامنے آئی تھی جہاں پھولوں سے مرحا عون لِکھا ہوا تھا۔ اس نے پھولوں میں اپنا عکس دیکھا جہاں آج کے دن وہ واقعی قیامت لگ رہی تھی۔ عون کمرے میں داخل ہوا، ایک پل کو تو اُسے دیکھ کر وہ ٹھٹھکا تھا۔ دِل نے کہا تھا کہ پاس جاؤ ہر خلش مٹا کر مگر انا حاوی ہو گئی تھی۔ وہ اُسے مکمل طور پر نظر انداز کرتا واشروم میں گھُس گیا اور مرحا ڈریسنگ روم میں۔
وہ باہر آیا تو مرحا کہیں نہیں تھی اس نے ڈریسنگ روم کے دروازے کو بند دیکھا تو وہاں کی طرف بڑھا چونکہ اُسے واشروم سے باہر آئے بھی دس منٹ ہو چکے تھے تب بھی وہ ناہ نکلی تو اُسے دیکھنے کی غرض سے اس نے ڈریسنگ روم کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کوئی بھی آواز نہ آنے

کی وجہ سے وہ کمرے میں داخل ہوا جہاں وہ صوفے پر آرام سے سوئی ہوئی تھی۔ کوئی بھی آواز کیے بغیر وہ مرحا کے پاس ہی نیچے کارپٹ پر بیٹھ کر اُسے دیکھنے لگا تھا۔ وہ اُسے جیسے جیسے دیکھ رہا تھا ویسے ویسے اس کی آنکھوں میں نمی گھُل رہی تھی۔ وہ لڑکی نجانے کتنے سالوں سے اس کے دل میں رہتی تھی۔ وہ اس کو چاہتا تھا یہ بات اس کی آنکھیں کہتی تھیں۔ اچانک کسی کی نظروں کی گہری تپش محسوس کرتے اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ عون کو قریب تر پا کر مرحا کا دل دھڑکا تھا وہ پھر سے کسی کبوتر کی طرح آنکھیں میچ گئی تھی۔ اس کی حرکت پر وہ اُٹھ کر جانے لگا تھا جب مرحا نے اسکا ہاتھ پکڑا تھا۔ اپنا ہاتھ اس نرم ہاتھ کی گرفت میں محسوس کرتے اس نے سوالیہ نظروں سے مرحا کو دیکھا تھا۔

"سوری" نم آنکھوں سے کہا گیا تھا اور یہاں وہ پگھل گیا تھا مگر نا محسوس انداز میں نرمی سے اس نے اپنا ہاتھ چھڑوایا تھا۔

"سوری نا" اب کی بار وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اسکا دوپٹہ ڈھلک کر کندھوں پر آ گِرا تھا۔

"آج کی رات مجھے ناراض ہی رہنے دیں۔ منا لیا تو بہت کچھ برداشت کرنا پڑے گا آپ کو" مرحا کو کھینچ کر خود سے قریب وہ بولا تھا جبکہ اس کی بات پر مرحا کے وجود میں سنسنی دوڑی تھی۔

"وجہ نہیں پوچھو گے انکار کی؟" لاڈ سے کہا گیا تھا۔

"شاید میں آپ کے قابل نہیں" وہ جو اس گھر کا لاڈلا تھا جس نے آج تک برانڈ کی چیزیں پہنی تھیں، جس کو آج تک گرم دھوپ نے نہ چھوا تھا وہ یہ کہہ رہا تھا۔

"میں تمہارے قابل نہیں تھی عون۔ تم بہت خوبصورت لڑکی ڈیزرو کرتے تھے۔ میں کہیں سے بھی اس قابل نہیں تھی" وہ عون کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اداسی سے بولی۔

"واقعی ہم بالکل برابر نہیں۔۔ کیونکہ۔۔۔" وہ بولتے بولتے رکا تھا تب ہی اچانک اس نے بوجھل پلکیں اُٹھائیں۔

کیونکہ آپ بے حد خوبصورت ہیں۔ آپ کے بال، ان کی خوشبو، آپ کی بڑی بڑی آنکھیں، آپ کے یہ ہونٹ۔۔۔" اس سے پہلے وہ کچھ بولتا مرحا نے اپنا نازک ہاتھ اس کے لبوں پر رکھا تھا جس کو اس نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

کچھ لمحے خاموشی میں گزرے تھے۔

"ناراض ہوا ابھی بھی؟" مرحا نے اس کو دیکھتے سوال کیا تھا۔

"ہمم" وہ مرحا کو دیکھتے بولا تھا۔

"عون۔۔۔" اس سے پہلے وہ کچھ کہتی عون نے حق سے اُس کی سانسوں کو خود میں اُلجھایا تھا۔وہ مکمل بے خود ہو گیا تھا جبکہ مرحا کو اپنی سانسیں گھُٹتی محسوس ہوئی تھیں۔جب مرحا نے مزاحمت ترک کی تب عون نے اُسے چھوڑا تھا۔مرحا نے شرم سے نظریں جھُکائی تھیں۔

"یہ فقط ناراضگی جتائی ہے، خیر منائیں جب مان جاؤں گا تب آپ کا کیا حال ہو گا" وہ اُس کے بالوں میں منہ چھپاتا بولا تھا جبکہ آہستہ آہستہ رات سرکنے لگی تھی۔سب ٹھیک ہو گیا تھا یہ ہی بہت تھا۔

وہ کمرے میں آیا تو ماہرہ کہیں بھی نہیں تھی۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا تو وہ اُسے نظر نہ آئی۔ وہ وہاں سے سیدھا ماہرہ کے کمرے میں آیا تھا جہاں وہ میڈم اپنے فون میں مصروف تصاویر بنا رہی تھی۔

"یہ کون سا طریقہ ہے تنگ کرنے کا اور آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟" سخت تیور لیے وہ کمرے میں آیا تھا۔

"کون سا طریقہ؟ تنگ کرنے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے؟" وہ مسکرائی تھی جبکہ عفان نے جھک کر اُسے گود میں اُٹھایا اور اپنے کمرے تک لے آیا تھا۔ وہ بہت بولی تھی، غصّہ ہوئی تھی مگر وہ کب کہاں کسی کی سنتا تھا۔

"یہ ہے تمہاری اصل جگہ" اپنے بیڈ پر بِٹھاتے وہ بولا تھا۔

"مجھے نیند آرہی ہے" وہ عفان کو دیکھ کر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول اٹھی تھی۔

"نیند کا نام بھی لیا نا آج کی رات تو دیکھنا پھر"

عفام نے تنبیہ کی تھا۔

"نیند، نیند، نیند" اس نے ہمیشہ کی طرح اس کی بات کی نفی کی تھی جبکہ اس کے ڈھیٹ انداز پر عفان مسکرایا تھا۔

"سب کلیئر کریں۔ آپ نے کہا تھا" اسے خود کو دیکھتا پا کر ماہرہ نے کہا تھا۔

"یار میں فی الحال کسی چیز کو ڈسکس کرنے کے موڈ میں نہیں۔ کل کی رات بھی تم نے تباہ کردی تھی" اس کی بات پر ماہرہ کو تپ چڑھی تھی۔

"میں نے کیا کیا؟ کل کی رات میں نے خراب نہیں کی ہاں مگر آج کی کروں گی" اس سے پہلے عفان سمجھتا وہ وہاں سے بھاگ کر واشروم میں گھس گئی تھی اور عفان مسکرایا تھا۔

"اگر تم مزید دس منٹ میں باہر نہ آئیں تو مجبوراً ساری رات واشروم میں گزارنی پڑے گی ہم دونوں کو"

بیس منٹ انتظار کر کے عفان نے کہا تھا جبکہ وہ ڈھیٹ بنی ویسے ہی کھڑی ہوئی تھی اور اگلے دس منٹ بعد واشروم کا لاک کھل گیا تھا۔ وہ اندر آیا اور اس سے پہلے ماہرہ وہاں سے بھاگتی عفان نے اس کا دوپٹہ کھینچ کر اسے خود کے قریب کیا تھا۔

"عفان۔۔۔۔" اس سے پہلے وہ کچھ بولتی عفان نے شاور آن کر دیا تھا۔ ٹھنڈا پانی دونوں پر گر رہا تھا اور وہ مکمل بھیگ گئے تھے۔ اب ماہرہ کانپنے لگی تھی جبکہ عفان اس کو دیکھے جا رہا تھا ذرا سی گرفت ڈھیلی ہوئی تو وہ باہر بھاگی تھی۔ کمرے میں ہیٹر آن تھا مگر وہ عفان کے ساتھ جھگڑنے کا سوچ رہی تھی اس کی اس بچگانہ حرکت پر۔

"تیری گیلی گیلی لٹوں کو سلجھاؤں

میں اپنی انگلیوں سے

میں تو ہوں اس خواہش میں"

اس کے کان میں سرگوشی کرتے عفان نے اُسے بے بس کیا تھا جبکہ ماہرہ نے بھی ہار کر خود کو اس کے سپرد کر دیا تھا۔

!...

وہ کمرے میں آئی تو پہلے ہی تھکی ہوئی تھی، آتے ہی سونے کے لیے لیٹ گئی جبکہ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

"اشک آنکھوں سے یہ کہہ کر نکلا

یہ تیرے ضبط کی حد ہے، حد ہے"

سارادن اس نے حیدر کی بے رخی برداشت کی تھی۔ سارادن اس نے ایک دفعہ بھی مڑ کر اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ کتنا بدل گیا تھا۔ اس کی حیدر سے کوئی خاص ذہنی ہم آہنگی نہ تھی ہاں مگر وہ اسے چاہنے لگی تھی۔ رات کے اِس پہر نیند اور سکون کو ترستی لڑکی حیدر کو دل سے یاد کر رہی تھی اور وہ بے خبر سویا ہوا تھا۔ وہ بھی تقریباً سو ہی گئی تھی جب کسی برے خیال کی وجہ سے اچانک اس کی آنکھ کھُلی تھی۔ وہ اُٹھی تو اس کے لبوں سے اِمامہ لفظ ادا ہوا تھا۔ اس نے خواب میں اِمامہ کو پہاڑ سے گِرتا دیکھا تھا۔ اتنے برے خواب پر وہ رو پڑی تھی۔ اپنا فون اُٹھا کر اس نے فوراً سے پہلے اسفندیار کو کال کی تھی۔ وہ زمینوں پر ہی تھا جہاں رات جرگہ بیٹھا تھا۔ اس وقت کال پر اس نے حیرت سے اس نمبر کو دیکھا تھا۔ اس نے چند منٹ بعد محفل سے اُٹھ کر سائیڈ پر ہو کر اسے کال کی تب وہ نماز پڑھ رہی تھی۔ اسفندیار نے تین دفعہ کال کی جو وہ اُٹھا نہ سکی تھی۔ وہ واپس محفل میں آ گیا تھا۔ نماز پڑھ کر دعا مانگ کر جب اس نے دیکھا تو فون پر تین کالز تھیں۔ دعا نے کال مِلائی تو اس نے

فوراً پک کرلی تھی۔ محفل کے لوگ تقریباً جا چکے تھے اور جو موجود تھے وہ جانے لگے تھے۔

"السلام علیکم "گھمبیر آواز میں سلام کیا گیا تھا۔

"وعلیکم السلام "اس کی آواز ہی ایسی تھی وہ کچھ بھی بول نہ سکی۔

"کیسی ہیں آپ؟ خیریت سے ہیں؟ رات کے اس پہر کال کی۔ آپ ٹھیک ہیں؟" ٹھہر ٹھہر کے سوال کیا گیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ وہ میں نے اِمامہ کو خواب میں دیکھا تھا۔ وہ ٹھیک ہے نا؟" امامہ کی بات پر وہ مسکرایا تھا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہے، پریشان مت ہوں۔ کوئی برا خواب ہو گا" اس نے یہ کہتے بات ختم کی تھی۔

"جی بہتر۔۔ شاید میں کچھ زیادہ ہی پینِک ہو گئی تھی"

اپنی بات پر وہ نجانے کیوں شرمندہ تھی۔

"چلیں۔۔ خیال رکھیے گا۔ فی امان للہ "

وہ یہ کہتا کال کاٹ گیا تھا جبکہ دعا بھی اب کچن میں جانے کا سوچ رہی تھی۔

....

تیری دوریاں مجھ پر فنا ہیں

کچھ مجھ میں تو ایسے بسا ہے

تجھ سے بچھڑ کر باخدا میں یہاں

جی نہ سکوں گا اک لمحہ

آرام آتا ہے دیدار سے تیرے

مٹ جاتے ہیں سارے غم

وہ زیرِ لب بڑبڑاتا چاند کو دیکھ رہا تھا۔ چاند کو دیکھ کر اُسے دعا یاد آتی تھی۔ حالات نے ایسا کر دیا تھا کہ وہ دعا کی صورت بھی بھولنا چاہتا تھا مگر بھول نہ پاتا تھا۔

"کاش میں بھُلا سکتا تمہیں" دعا کی نم آنکھیں یاد کرتے اُس نے کہا تھا۔ فون بجنے لگا تھا اس نے فون کو دیکھا جہاں بھابی کالِنگ لکھا آرہا تھا۔

"السلام علیکم بھابی" ماہرہ کو سلام میں پہل اس نے کی تھی۔

"وعلیکم السلام" ماہرہ کی جگہ دعا نے سلام کا جواب دیا تھا۔

"بھائی کہہ رہے ہیں آج شام گھر میں دعوت ہے آپ سب کی۔ ان کا فون چارج نہیں تھا تو انھوں نے کہا کہ ماہرہ کے نمبر سے کر لو کال" مکمل بے رخی سے کہتے اس نے کال کی وجہ بھی بتادی تھی۔

"اپنے فون سے بھی کر سکتی تھیں تم کال؟" نجانے اس نے پوچھا تھا یا بتایا تھا وہ یہ جان نہ سکی تھی۔

"میرے پاس نمبر نہیں ہے آپ کا" دعا کی آواز میں گھُلتی نمی کو اس نے باقاعدہ محسوس کیا تھا۔

"ڈلیٹ کر دیا؟" کسی بھی احساس سے عاری سوال کیا گیا تھا۔

"جی" یک لفظی جواب سن کر حیدر کو دکھ ہوا تھا۔

"دُکھ ہوا سن کر" وہ کال کاٹنے لگا تھا جب دعا بول پڑی۔

"مجھے بھی شدید دُکھ ہوا تھا جب رابطہ منقطع کرنے کا کہا گیا تھا" وہ رو رہی تھی حیدر جانتا تھا۔ اس کے پاس اختیار ہی نہ تھا کہ وہ دعا کو چپ کرواتا۔

"رُک بھی سکتی تھیں، لڑ بھی سکتی تھیں۔۔ کچھ تو کہتیں" نجانے کیوں وہ اس کو منانا چاہ رہا تھا جبکہ جانتا تھا کہ مستقبل میں یہ ہی چیز دعا کو تکلیف دینے والی ہے۔

"کیسے رُکتی، کیسے لڑتی، کس حق سے لڑتی؟ محبت میں اگر عزت نہ ہو تو رشتہ چلایا جا سکتا ہے مگر محبت میں چاہ ہی باقی نہ رہے تو رشتہ نہیں چلتا حیدر۔۔" وہ حیدر کو بہت کچھ جتا گئی تھی۔

"کس نے کہا محبت ختم ہو گئی دعا؟" رسانیت سے کہا گیا تھا۔

"کِس نے کہا کہ محبت تھی حیدر؟" یہاں وہ لاجواب ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ صحیح تھی۔ کسی نے بھی اقرار نہیں کیا تھا اور یہ بات حیدر کو اب پتا لگی تھی۔

"شام میں آؤں گا" وہ نجانے کیوں یہ کہہ گیا تھا کہ "تمہیں دیکھنے آؤں گا"

" مجھے منتظر نہ پائیں گے۔۔" یہاں حیدر کا ضبط ٹوٹا تھا اور وہ کال بند کر گیا تھا۔ اُسے درد ہوا تھا مگر اب کی بار دیر ہو گئی تھی۔

....

صبح ضرورت سے زیادہ حسین تر تھی۔ اس کی آنکھ کھُلی تو اس نے خود کو عون کے حصار میں پایا۔ شرمگیں مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کِیا تھا۔ وہ سائیڈ سے ہو کر اُٹھ بیٹھی

تھی جبکہ وہ بے خبر سویا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ عون کی نیند کافی پکی ہے۔ وہ اُٹھی اور تیار بھی ہو گئی جبکہ وہ ویسے ہی سویا ہوا تھا۔

"عون اُٹھو" اس نے جھک کر عون کے کان کو کھینچتے کہا تھا۔ اس نے نیند میں ہی اپنا کان مسلا تھا جبکہ وہ ہنسی تھی۔

"اُٹھ جاؤنا" دس منٹ اُٹھانے کے بعد بھی جب وہ نہ اُٹھا تو وہ بولی تھی۔

"اُٹھ رہا ہوں یار۔۔۔ نیند آرہی ہے سخت مجھے" وہ آنکھیں مسلتا بچے کی طرح بڑبڑایا تھا۔

"پتا ہے چھوٹے سے بچے لگ رہے ہو اِس وقت۔۔" وہ ہنستے ہنستے کہہ رہی تھی جبکہ عون نے ایسی نظروں سے اُسے دیکھا تھا جیسے کہہ رہا ہو میں بتاؤں تمہیں۔

"سر میں درد ہو رہا ہے چائے بنا دیں" وہ جانتی تھی عون کے واقعی سر میں درد ہو گا کیونکہ مرحا کو عادت تھی صبح جلدی اُٹھنے کی ہاں مگر وہ دیر سے اُٹھتا تھا۔ وہ نیچے آئی تو اُسے دیکھ کر زمرد بیگم اور اس کی ماں نے بے ساختہ ماشاءاللہ کہا تھا۔ کچھ وہ تیار نہیں ہوتی تھی اور آج تیار ہوئی تھی، جس کے لیے ہوئی تھی اس پر جچ بھی رہا تھا اُس کے لیے تیار ہونا۔

"کتنی پیاری لگ رہی ہیں" دعا جو چائے لے کر کچن سے نکلی تھی، مرحا کے پاس آئی تھی۔

"اور تم تو بغیر تیار ہوئے بھی پیاری لگتی ہو"

دعا کو یہ سن کر اچھا لگا تھا کیونکہ اس نے واقعی حیدر کے بعد اب جا کر کسی کے لبوں سے تعریف سنی تھی۔ وہ تیار ہونا چھوڑ چکی تھی یہاں تک کہ ولیمے کے فنکشنز میں بھی اس نے بس ایک لپ اسٹک پر گزارا کیا تھا۔

"اچھا عون نے چائے کا کہا ہے، میں بنالوں ؟" سب کے سامنے وہ یہ نہ بول سکی تھی۔ جانتی تھی کہ زمرد بیگم ضرور عون کو ایک رات کی دلہن کو کچن میں بھیجنے پر ڈانٹیں گی۔

"میں نے بنا دیا ہے ناشتہ بھی اور چائے بھی۔۔ آپ نے لے جانا ہے کمرے میں تو لے جائیں ورنہ یہیں کر لیں ناشتہ" دعا نے رسان سے کہا تھا۔

"ہاں بس عون کو بھی نیچے ہی بلوا لیتی ہوں" وہ یہ کہتی ناشتہ لگوانے لگی تھی۔

....

"بھوک لگ رہی ہے، ناشتہ لگوا دیں امی" تقریباً سب فنکشن ختم ہو گئے تھے۔ سب اپنی روٹین پر واپس آ گئے تھے جبکہ دعا بھی اب واپس یونیورسٹی جوائن کرنے کا سوچ رہی تھی۔

"اپنی بیوی کو کہیں نا ناشتہ بنا دیں" عفان کی بات پر اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"میری بیوی بھی یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہو رہی ہے۔۔ تم بہن ہو تم بنادو ناشتہ "

عفان نے اس کے لمبے بال کھینچتے کہا۔

"بھائی نہ کِیا کریں نا" وہ جو اتنی محنت سے چُٹیا بنا کر آئی تھی بالوں کو خراب ہوتا دیکھ کر چیخی تھی۔

"السلام علیکم "وہ سب بیٹھے ہی تھے جب حیدر آیا تھا۔ حیدر کے چہرے کے تاثرات سخت تھے یعنی وہ کوئی خبر لے کر آیا تھا۔ اُسے یکھ کر عفان کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے بات کرنی ہے گیسٹ روم میں آؤ" وہ یہ کہتا جانے لگا تھا جب دعا نے عفان کو روکا تھا۔

"بھائی مجھے یونیورسٹی جانا ہے، لیٹ ہو رہی ہوں"

دعا کی آواز سن کر حیدر نے فوراًاس کی طرف دیکھا تھا جیسے نجانے کتنے دنوں سے وہ صرف اُسے دیکھنا چاہتا تھا۔

"میرا بچہ عون کے ساتھ چلی جاؤنا" دعا کو بہلا کر وہ حیدر کی طرف بڑھا تھا۔

"حد ہے میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی۔ "وہ بیگ اُٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔

وہ نیند سے جلدی جاگ گیا تھا۔ صبح اُسے بہت خوبصورت لگنے لگی تھی کیونکہ من پسند شخص پاس تھا۔ وہ جتنا شکر کرتا کم تھا، اسے مرحا جیسی بیوی ملی تھی جو رشتوں کو بنا کر رکھنا جانتی تھی۔ اس نے مرحا کی طرف دیکھا جو کہ مکمل نیند میں گم تھی۔ اس نے جھُک کر مرحا کی پیشانی پر لب رکھے۔ شفاف پیشانی پر لب رکھتے وہ مسکرایا تھا۔ جب عون نے دیکھا کہ وہ نہیں اُٹھ رہی پھر اس نے اپنے طریقے سے اُسے اُٹھایا تھا جس پر وہ بوکھلا کر اُٹھی تھی۔

"شرم نہیں آتی؟" بال باندھتے اس نے عون کو پیچھے کیا تھا۔

"نہیں!!" عون کی نظر اب بھی اس کے لبوں پر تھی۔ اس سے پہلے وہ واپس جھُکتا مرحا نے اپنے دونوں ہاتھوں سے منہ چھُپایا تھا جس پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"یار مجھے بیٹی چاہیے" صبح صبح اس بات پر جہاں مرحا کا دماغ گھوما تھا وہیں عون کی بتیسی نکلی تھی۔

"ہاں اتنی جلدی تمہیں بیٹی کہاں سے لا کر دوں؟"

مرحا کی بات پر عون نے شوخ انداز میں اُسے دیکھا تھا۔

"میں اپنی بیٹی کا نام رکھوں گا اِرحا۔۔" مرحا کو پلاننگ بتاتے وہ ہنس رہا تھا جبکہ مرحا اس کی باتوں کو سن رہی تھی۔

"میرا نام مرحا اور اس کا اِرحا۔۔۔ میچ ہو جائیں گے۔۔"

وہ دونوں ایسے پلان کر رہے تھے جیسے واقعی بچی ان کے پاس ہو اور قسمت دور کھڑی دونوں کی نظر اتار رہی تھی۔

....

وہ اسلام آباد آیا ہوا تھا دو دن سے۔ اس بات کی خبر کسی کو بھی نہیں تھی کہ وہ کب آتا ہے اور کب جاتا ہے"

سجاول، عفان اور حیدر تینوں اس وقت بیٹھے جواد کی بات سن رہے تھے۔

" مگر وہ کیوں آیا ہے یہاں ؟" حیدر نے ضبط سے کہا تھا۔

"اپنی بہن کی موت کا بدلہ لینے" سجاول کی بات پر جہاں عفان کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں وہیں حیدر نے بھی کھڑکی سے باہر دیکھا تھا جیسے سب بھلانا چاہتا ہو۔

"دیکھیں سر!! حیدر کو پہلے ہی وارن کیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں سے، اپنے احباب سے فاصلہ رکھے۔ کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے اور میرا مشورہ ہے کہ آپ سب ایک ہی خاندان کے ہیں لہٰذا کم سے کم رابطہ کریں اور اپنے ساتھ ساتھ فیملیز پر توجہ دیں۔" جواد کی بات پر سب متفق نظر آئے تھے جب عفان کی نظر کیمرے پر پڑی تھی۔

"دعا اکیلی گئی ہے؟" اس نے دھیمی آواز میں کہا تھا جبکہ حیدر فوراً خود کی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔

"اِن کو ایک بات سمجھ کیوں نہیں آتی؟ ہر بات میں اپنی کیوں کرتی ہیں یہ؟" کیمرے سے اُسے جاتا دیکھ کر وہ بڑبڑایا تھا۔

"اِن کو کال کر کے کہیں کہ رُکیں باہر ہی۔۔" جواد کی بات پر فوراً عفان نے اسے کال کی تھی جبکہ گاڑی روانہ ہو چکی تھی۔ لان کا فاصلہ عبور کرتے کافی وقت گزر جاتا اس لحاظ سے فون ہی ٹھیک تھا۔ اس سے پہلے دعا کال پک کرتی، انجان نمبر سے ایک ہی ٹائم پر سجاول، حیدر اور عفان کو کال آئی تھی تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کال پک کر کے سپیکر آن کیا تھا۔

"کھیل شروع ہو گیا ہے عفان وحید۔ تمہارے گھر کی گُڑیا آج رخصت ہو گئی ہے۔ اب تم ایک کام کرو قبر کا انتظام کر لو۔" اس کے چپ ہونے سے پہلے ہی عفان نے فون دیوار پر دے مارا تھا۔

"ارے ابھی ایک فون توڑا ہے۔ کس کس کا منہ توڑو گے جب بہن گھر نہیں ہو گی تو سب سوال کریں گے ؟ وہ کیا ہے نا دنیا سمجھے گی کہ تمہاری بہن خود ہی۔۔۔" اب کی بار حیدر کا صبر ختم ہوا تھا اور وہ کال کاٹ گیا تھا۔

....

وہ جب اُٹھی تو اس نے خود کے بازوؤں کو رسیوں میں جکڑا پایا تھا۔ وہ خود حیران تھی کہ آخری دفعہ اس نے خود کو گاڑی میں پایا تھا۔ وہ کب کیسے یہاں پہنچی اُسے خود علم نہیں تھا۔

"لڑکی خبر دار جو شور کِیا تم نے۔ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہاں اگر تم نے ذرا بھی ہوشیاری دِکھائی تو یہ چھ کی چھ گولیاں تمہارے دماغ میں ڈال دوں گا" دعا اس آدمی کی بات پر ڈر گئی تھی مگر اس کا دل کِیا تھا کہ وہ اس سے پوچھے کہ وہ ہے کون اور یہاں کیوں لایا گیا ہے اُسے۔ وہ آدمی اُسے چھوڑ کر باہر گیا تھا جبکہ دعا کی ایسی حالت تھی کہ بکھرے بال

منہ پر آ رہے تھے۔ ہاتھوں پر رسیوں کی وجہ سے گہرے کٹ لگ گئے تھے۔ پاؤں بھی زنجیروں سے باندھے گئے تھے۔ درد کی شدت بڑھتی جا رہی تھی، سانسیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں جب بوٹوں کی آواز پر دعا کا دل دھڑکا تھا۔ نجانے کون تھا کیوں آیا تھا۔

"تم لوگوں کو میں نے کہا تھا کہ اُس لڑکی کو زیادہ اذیت مت دینا" وہ جو اُسے اندھیرے میں دیکھ رہا تھا ہلکی ہلکی روشنی میں وہ دعا کی مدھم سانسیں سن سکتا تھا۔

"یہ لڑکی کوئی اور نہیں ہماری خاص مہمان رہ چکی ہے۔۔ ہے نا لڑکی؟" وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا دعا کے سامنے آیا تھا جبکہ اُسے دیکھ کر دعا کو لگا تھا وہ اگلا سانس نہیں لے سکی تھی۔ وہ کوئی اور نہیں اسفندیار یعنی اے۔ ایف تھا۔

"آپ!!" دعا نے اُسے بے یقینی سے دیکھتے کہا تھا۔

"ہاں میں۔۔ اسفندیار۔ وحید خاندان کا واحد، پرانا اور جانی دشمن۔۔ کافی سالوں سے یہ دشمنی چلتی آ رہی ہے۔" دعا اس کی باتوں پر حیران ہو رہی تھی جبکہ وہ دعا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کہہ رہا تھا۔

"مرد ہیں آپ؟" کافی توقف کے بعد دعا نے کہا تھا جس پر اسفندیار نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا مطلب؟" ضبط سے کہتے اسفندیار نے دعا کی آنکھوں میں تقریباً آنکھیں گاڑھی تھیں۔

"مطلب یہ کہ کنفرم کر رہی ہوں کہ آپ مرد ہیں یا نہیں۔ کیونکہ وہ کیا ہے نا کہ مرد اپنی لڑائیوں میں عورتوں کی طرف نہیں آتے اسفندیار صاحب۔ اگر آپ مرد تھے تو آپ کو ان مردوں سے ہی لڑنا چاہیے تھا مجھ تک آکر آپ نے اپنی بازی خود ہار دی ہے۔"

اس ننھی سی لڑکی کی گز بھر زبان کو سن کر اسفندیار کا دل کیا تھا کہ ابھی کے ابھی اس کو زمین میں دفنا دے۔

"محترمہ یہ آپ کی بھول ہے کہ وہ مرد کبھی جیت سکیں گے اب مجھ سے۔ وہ کیا ہے نا کہ میں جس چڑیا کو قید کر لایا ہوں نا وہ عفان وحید کے لیے بہت اہم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ چڑیا حیدر میر کے دل کی مکین بھی ہے۔۔" اسفندیار کی آخری بات سن کر جہاں دعا کے چہرے کا رنگ بدلا تھا وہیں اس کا قہقہہ گونجا تھا۔

"بھول جاؤ اپنے پیارے کو چڑیا" اب دعا کا صبر ختم ہوا تھا اس نے رسیوں سے جکڑے ہاتھ اُٹھا کر اسفندیار کے سینے پر مارے تھے۔

"اس طرح تو امامہ کی اماں کے بھی کافی یار ہوں گے نا؟" یہاں اسفندیار نے غصے سے ہاتھ اٹھایا مگر وہ اس چہرے کو مار نہ سکا تھا۔ یہاں وہ بے بس ہو جاتا تھا۔

"یہ ہی مردانگی ہے آپ کی؟ اُٹھائیں نا ہاتھ "زوار جو کہ نجانے کب سے سن رہا تھا، اس نے دعا کی طرف دیکھا تھا جیسے اس لڑکی کی ہمت کو داد دے رہا ہو جو اس سے نا صرف لڑ رہی تھی بلکہ اس کو مار بھی رہی تھی۔ اسفندیار اُٹھ کر چلا گیا تھا جبکہ دعا نے اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے تھے۔

....

جب سب کو دعا کی گمشدگی کی خبر معلوم ہوئی تو خواتین نے رونا شروع کر دیا تھا اور مرد حضرات سب ہی پریشان تھے۔

"نجانے وہ کہاں ہو گی۔ اس نے کچھ کھایا بھی ہو گا یا نہیں" دعا کو سوچ سوچ کر ماہرہ کو اپنی لاڈلی کی یاد آرہی تھی جو کہ پندرہ سال سے لاپتا تھی۔ وہ پانی لے کر ڈرائنگ روم کی طرف آئی تھی جب اس کے قدم عفان کی بات پر رکے تھے۔

"ایسا ہی تھا تو تم نے شادی کیوں کی عفان؟ تم نے بھابی کو مہرہ کیوں بنایا؟" سدا کا لاپرواہ اس بات کا اعلان کر رہا تھا یہ بات وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کا والیم کس قدر تیز ہے۔

"میں نے فی الحال ماہرہ سے نکاح صرف پراپرٹی کے لیے کِیا تھا حیدر۔ میں خود فی الوقت شادی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میں مجبور تھا مجھے پیسے چاہیے تھے اور تم جانتے ہو اتنی بری رقم ماہرہ کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا تھا" ماہرہ کا مان ٹوٹا تھا۔ اس کے ہاتھوں سے ٹرے گری اور کانچ کے گلاس اس کے پیروں میں کرچی کرچی ہوئے تھے۔

عفان، حیدر اور سجاول نے باہر دیکھا تو وہ کھڑی ہوئی تھی۔ آنکھیں پرنم تھیں، لب ساکت تھے اعتبار ٹوٹنے کا صدمہ تھا۔

"ماہرہ۔۔ لسن ٹو می" عفان اُسے اپنی طرف بڑھتا محسوس ہوا تھا جبکہ اس کے پاؤں ٹوٹے کانچ کے ٹکڑوں پر آئے تھے۔ آنکھیں پل بھر کو میچ لی گئی تھیں۔ عفان اس کی طرف جیسے

ہی بڑھا وہ پیچھے ہوئی تھی اور اچانک اُس کو اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا ہوتا محسوس ہوا تھا۔

جب اُسے ہوش آیا تو وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی جبکہ آس پاس گھر کے سب افراد تھے۔ اس نے سب کو باری باری دیکھا تھا۔ زمرد بیگم نے ماہرہ کا زرد چہرہ دیکھ کر نم آنکھوں سے اس کا ماتھا چوما تھا۔

"مبارک ہو" یہ دو لفظ سن کو وہ نا سمجھی سے انھیں دیکھ رہی تھی جیسے کس چیز کی مبارک کا پوچھ رہی ہو۔

"تمہارے گھر ننھا سا مہمان آنے والا ہے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی تمہارے لیے ماہرہ۔۔ دعا کرو ہماری دعا بھی مِل جائے پھر ہم سب مِل کر خوشی منائیں گے"

زہرہ نے روتے ہوئے کہا تھا جس پر ماہرہ کو سانس اٹکتا محسوس ہوا تھا۔ یہ کیسا امتحان تھا؟ ایک طرف بے یقینی، ایک طرف حد درجہ بے اعتباری، پیسے کی خاطر نکاح اور دوسری طرف یہ خوشی؟ ماہرہ کو دماغ بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔

"ننھا مہمان؟" ماہرہ نے دروازے سے اندر داخل ہوتے عفان کو دیکھا تھا جس کی نظر ماہرہ کا طواف کر رہی تھی۔

"کچھ پتا چلا دعا کا؟" ماں نے اک آس سے پوچھا تھا جسے سن کر وہ اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

"ماں وہ فی الحال اسلام آباد میں ہی ہے۔ یہاں کی حدود سے وہ نہیں نکل سکے گا دعا کو لے کر۔۔ میں کل تک دعا کو گھر لے آؤں گا" اپنی ماں کو حوصلہ دیتے اس نے سب کو مطمئن کیا تھا جبکہ وہ خود حد درجہ پریشان تھا۔ سب کمرے سے نکل گئے تب وہ ماہرہ کی طرف آیا تھا جو کہ خالی خالی نظروں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"ماہرہ" بہت پیار بھرے لہجے میں عفان نے اُسے پکارا تھا۔

"نام مت لیں میرا اپنی زبان سے۔ میرا دل چاہ رہا ہے میں آپ کو ختم کر دوں عفان وحید۔ کتنے گِرے ہوئے ہیں آپ۔۔ مجھ سے نکاح آپ، آپ نے صرف اس لیے کِیا کہ آپ پیسے۔۔۔" وہ اچانک سے ہچکیاں لینے لگی تھی۔ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ زرد پڑتی جا رہی تھی۔

"ماہرہ۔۔" وہ اس کے قریب ہو کر بیٹھا تھا جبکہ ماہرہ نے اس کو دھکا دے کر خود سے دور کرنا چاہا تھا۔

"میری بات تو سن لو۔۔" وہ اُسے بتانا چاہتا تھا کہ جس کی خاطر وہ یہ سب کر رہا ہے وہ کوئی اور نہیں جازیہ یوسف ہے۔ماہرہ یوسف کی چھوٹی بہن جو کہ پندرہ سال پہلے اغوا ہو چکی تھی۔

"نہیں سننا مجھے کچھ بھی۔ آپ ایک انتہائی دھوکے باز، مکار اور خود پرست آدمی ہیں۔ آپ نے سب جھوٹ بولا۔۔۔ آپ نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی عفان وحید" وہ روتے روتے کہہ رہی تھی۔وہ اس کی بات سے اذیت محسوس کر رہا تھا۔

"ماہرہ۔" اس نے چپ کروانا چاہا، بولنا چاہا تھا مگر وہ کیا کرتی؟ اعتبار کو ٹھیس لگی تھی کیسے سن لیتی؟

"آپ نکلیں یہاں سے۔۔ جائیں یہاں سے آپ۔مجھے آپ سے کوئی بھی بات نہیں کرنی۔۔ آپ جائیں" وہ ہذیانی انداز میں بیڈ سے اُٹھی تھی جبکہ اس کی کیفیت سمجھ کر

عفان خاموش رہا تھا۔ وہ چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گیا تھا جبکہ ماہرہ پیچھے بیڈ پر بیٹھ کر ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

ماضی

یہ وقت ہے آج سے تقریباً پندرہ سال پہلے کا جب عفان وحید سات سال کا اور ماہرہ یوسف چار سال کی تھی۔ یوسف صاحب آرمی میں تھے جس کی وجہ سے اُن کے کافی دشمن نظر آتے تھے۔ ایک وقت ان پر ایسا آیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں سے بھی مِل نہیں پاتے تھے کہ کہیں گھر کی سیفٹی کو کوئی نقصان نہ ہو۔ یہ واقعہ ہے اس رات کا جب سب کی زندگیاں بدل گئی تھیں۔۔ عفان اور ماہرہ کی بہت بنتی تھی۔ اس وقت عفان اور ماہرہ کے لیے اگر کچھ اہم تھا تو وہ مٹی کا گھر جو عفان اور ماہرہ نے اپنے ہاتھوں سے سارا دن لگا کر بنایا تھا۔ عفان آج ضد کر کے وہیں رُک گیا تھا۔ ننھے ننھے ہاتھوں سے بنایا گیا گھر لان میں ان لوگوں کے لیے بہت اہم تھا۔ یہاں تک کہ اس گھر کے قریب انھوں نے جازیہ کو بھی نہیں جانے دیا تھا جو کہ دو سال کی تھی اور اس نے نیا نیا بولنا سیکھا تھا۔ رات کا وقت تھا جب

ماہرہ نے کھڑکی سے دیکھا کہ بارش ہو رہی تھی تو اسے اپنے گھر کا خیال آیا۔ وہ فوراً سے پہلے گلاس ڈور کھول کر لان میں گئی تھی جو کہ ماہرہ کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ ماہرہ نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے گھر کو بچانا چاہا مگر وہ خود بھی بھیگ گئی تھی۔ عفان جو اُسے بُلانے آیا تھا ماہرہ کے پیچھے چار نقاب پوشوں کو کھڑا دیکھ کر وہ بہت کچھ سمجھ گیا تھا۔ ماہرہ نے نا سمجھی سے اُن میں سے ایک سے اپنا ہاتھ چھڑوایا تھا جبکہ اس نقاب پوش نے ماہرہ کو تھپڑ مارا تھا۔ اس تھپڑ پر درد عفان کو ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب بدمعاش لوگ گھر میں داخل ہوئے اور انھوں نے عفان اور ماہرہ کو مہرہ بنا کر یوسف صاحب سے نجانے کون کون سے پیپر سائن کروا لیے تھے پھر دنیا کا سب سے بھیانک ترین منظر عفان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ عفان وحید کے سامنے ہی یوسف صاحب اور ان کی بیگم کو مار دیا گیا تھا جبکہ ماہرہ اور جازیہ کو عفان نے اپنے پیچھے چھپایا ہوا تھا۔ وقت بہت ظالم ہوتا ہے یہ عفان کو اس وقت پتا لگا تھا جب اس سات سال کے بچے سے ماہرہ اور جازیہ میں سے کسی ایک کو چننے کے لیے کہا گیا تھا عفان نے ماہرہ کو چنا تھا اور ان لوگوں نے جازیہ یوسف کو ساتھ لے جانا چاہا تھا جبکہ عفان اور ماہرہ پر گن رکھ دی تھی۔ اچانک باہر سے آتی پولیس کی

گاڑیوں کی آوازیں ان سب کو بوکھلا گئی تھیں۔ وہ جازیہ کے سر پر گن رکھ کر اسے وہاں سے لے گئے تھے جبکہ ماہرہ کے دل میں پندرہ سال سے ایک ہی بات رہ گئی تھی کہ عفان وحید نے خود جازیہ کو ان کے حوالے کیا تھا جبکہ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ اس بچے نے تو سب کو بچانا چاہا تھا اور یوں ماہرہ یوسف بے گھر ہوئی تھی۔ ماہرہ کو سب یاد تو نہیں تھا مگر یہ بات حفظ تھی کہ جازیہ کو عفان نے بھیجا تھا۔ وہ یہ بھول گئی تھی کہ عفان وحید نے ماہرہ یوسف کو بچایا بھی تھا رہی بات اسفندیار یوسف زئی سے دشمنی کی تو عفان وحید کو اسفندیار یوسف زئی کی بہن "ہالہ یوسفزئی" پسند کرتی تھیں۔ جب اسفندیار کے گھر والوں کو یہ بات پتا لگی تو انھوں نے ہالہ کی شادی کروادی جبکہ عفان جو کہ ہالہ کو باقی کلاس فیلوز کی طرح ٹریٹ کرتا تھا اس بات سے بے خبر تھا کہ ہالہ اسے پسند کرتی ہے۔ ہالہ کو شادی کے فوراً بعد بیٹی ہوئی جس کا نام اس کے شوہر نے امامہ رکھا۔ اس کا شوہر کافی حد تک اچھا تھا مگر یوسف زئی لوگ اپنے اصولوں کے پکے ہوتے ہیں، ہالہ سے شادی سے قبل ان کا خاندان جانتا تھا کہ ہالہ کسی کو پسند کرتی تھی جس وجہ سے ہالہ پر کئی ظلم کیے گئے جس میں ظلم کرنے میں اس کی ساس بھی سر فہرست تھیں۔ ایک بار عفان کی ڈیوٹی افغانستان کی سائیڈ پر لگی جب

اچانک اس کی ملاقات ہالہ سے ہوئی جو کہ کافی کمزور ہو گئی تھی اور اس کے چہرے ہر کئی نشان تھے جیسے اس کو بہت مارا گیا ہو۔ ہالہ اس علاقے میں کسی بزرگ کی تعزیت کے لیے گئی تھی جب اچانک وہاں اس کی ساس نے ہالہ کو عفان سے بات کرتے دیکھ لیا تب سے ہالہ کی زندگی مزید تنگ کر دی گئی تھی۔ اسفندیار یوسف زئی اس بات سے بے خبر نہیں تھا کہ ہالہ کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہے مگر وہ کچھ بھی نہیں کہتا تھا اور پھر ایک رات وہ اپنی ساس اور شوہر کے ظلم کو سہہ نہ سکی تھی ایک دن اچانک ہارٹ اٹیک کی وجہ سے وہ مر گئی جبکہ اپنی ایک سالہ بیٹی کو اُن ظالموں کے سپرد کر گئی۔ اسفندیار یوسفزئی کو یہ خبر پہنچی تب وہ لندن میں تھا۔ وہ پہلی فرصت میں پاکستان آیا تھا۔ ہالہ کی ساس نے ہالہ کو جلد از جلد دفنانے کی تیاری کر رکھی تھی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اسفندیار نہیں آئے گا۔ جس نے جیتے جی خبر نہ لی وہ مرنے کے بعد شکل دیکھنے آ گیا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تو سامنے جنازے کے گرد عورتیں جمع تھیں۔ اسے دیکھ کر سب کا خون خشک ہو گیا تھا۔ ہالہ کے چہرے پر موجود نشان دیکھ کر اسفندیار کا دل کیا تھا کہ وہ ساری دنیا کو آگ لگا دے۔ وہ کیسے اپنی سگی بہن سے بے خبر رہا۔۔ وہ کیسے اسے بھول گیا، وہ کتنا بدنصیب ٹھہرا تھا تب سے اسفندیار

یوسف زئی وحید خاندان کا دشمن بنا پھِر رہا تھا اور تب ایک معجزہ ہوا تھا کہ اس کی گود میں کسے نے امامہ یوسف زئی کو ڈال دیا تھا۔

"تمہاری بہن کی آخری نشانی۔ اگر اپنی بہن سے ذرا سی بھی محبت ہے تو اِسے یہاں مرنے کے لیے مت چھوڑ دینا" کسی عورت کو یہ کہتے سنا تھا اس نے اور تب سے امامہ یوسف زئی اسفندیار کی بیٹی تھی۔

....

حال

"آپ کیوں سر کے سامنے بات بات پر ان کے حکم کی خلاف ورزی کرتی ہیں؟" جواد جو کہ اس کے لیے کھانا لے کر آیا تھا اس کے سامنے بیٹھ کر دعا سے پوچھ رہا تھا۔

"حکم کرتے ہی کیوں ہیں وہ؟ کیا حق ہے انھیں یہ سب کرنے کا؟" دعا جس کا حال بہت خراب ہو رہا تھا۔ اس کی بات سن کر بھڑ کی تھی۔

"جو بھی ہے فی الحال آپ اُن کی دسترس میں ہیں اور اس وقت آپ کمزور ہیں" جواد کی بات پر اندر آتا اسفندیار دروازے پر ہی رک گیا تھا۔

"دسترس؟ کب تک رکھیں گے؟ کیا کرلیں گے زیادہ سے زیادہ؟" دعا کی بات پر وہ بھنویں اُچکاتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"میں بتاؤں کیا کر سکتا ہوں میں؟" بولتے بولتے وہ اس کے قریب بیٹھا تھا اور اس نے جواد کو دیکھا تھا جیسے کہہ رہا تھا کہ نکلو باہر۔ وہ باہر چلا گیا تھا جب دعا نے لمبی پلکیں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کچھ بھی بولنے سے پہلے یہ بات یاد رکھا کریں کہ عورت ذات ہیں آپ اور فی الحال ایک مرد کے قبضے میں ہیں۔ مرد ذات ایسی ہے کہ اگر یہ حفاظت کرنے پر آئے تو محافِظ اور اگر نہ کرے تو اِس سے زیادہ وحشی کوئی نہیں" وہ نجانے کیوں یہ باتیں اُسے سمجھا رہا تھا۔

"ہاتھ کھولیں میرے" سخت لہجے میں کہا گیا تھا۔

"وجہ؟" وہ جو مسلسل اس کے چہرے کا طواف کرتی لٹوں کو دیکھ رہا تھا پوچھ بیٹھا تھا۔

"یہ جو سامنے لا کر رکھا ہے۔۔ اِسے کھاؤں گی"

کھانے کی طرف اشارہ کر کے بولی تھی۔ اس نے جواد کو آواز دی مگر کچھ سوچ کر خود ہی آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ کھول دیے تھے۔ اسفندیار نے دیکھا کہ اُس کی کلائیوں پر

رسیوں کی وجہ سے سرخ نشان بنے ہوئے تھے جبکہ چہرہ ہر احساس سے عاری تھا۔ وہ بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔

"پانی منگوا دیں" وہ اس سامنے بیٹھے مرد کو ایسے حکم دے رہی تھی جیسے کسی ہوٹل میں کھانا کھانے آئی ہو اور یہ بات خود اسفندیار نے بھی نوٹ کی تھی۔

پانی پی کر وہ واشروم کی جانب بڑھی تھی جبکہ اس کے قدم اسفندیار کی بات پر ساکت ہوئے تھے۔

"بھاگنے کی کوشش مت کیجیے گا اور نہ ہی آپ بھاگ سکتی ہیں" وہ سنی ان سنی کرتی واشروم میں گھس گئی تھی جبکہ اسفندیار بیٹھا آگے کا لائحہ عمل سوچنے لگا تھا۔

"آج دعا کو گئے ہوئے چھ ماہ ہو گئے وحید" ایک بار پھر وحید صاحب کو یہ کہتے زمرد بیگم کی پلکیں نم ہوئی تھیں۔ دنیا بھول جاتی ہے پر ماں نہیں بھولتی۔

"صبر رکھو۔" ایک بار پھر سے صبر کی گئی تلقین سے وہ چڑ گئی تھیں۔

"کب تک صبر کروں؟ آپ لوگوں کی پالی گئی دشمنیاں میری بچی کو کھا گئیں۔ پتا نہیں وہ کہاں ہو گی، کیسی ہو گی؟ زندہ بھی ہو گی یا مر گئی ہو گی"

ان کے چیخ کر کہنے پر کمرے میں داخل ہوتا عفان بھی افسردہ ہوا تھا۔

"ہم کوشش کر رہے ہیں ماں" عفان کی بات پر وہ تلخی سے مسکرائی تھیں۔

"مان لو تم لوگ کہ جیت گیا ہے وہ۔ دشمن جیت گیا تم ہار گئے۔ کچھ نہ کر سکے تم۔ اکیلے رہ گئے ہم۔ میری بچی کو لے گیا وہ" زمرد بیگم کو برین ہیمبرج ہوا تھا۔

....

"مجھے کلرز لینے ہیں۔ آپ چلیں گی ساتھ؟" وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو دعا سے امامہ نے کہا تھا۔

"جواد بھائی سے منگوا لو۔ اس ٹائم میں نہیں جا سکتی" زوار کا سن کر امامہ نے بری بری شکلیں بنائی تھیں۔

"نہیں مجھے خود لینے جانا ہے۔ اتنے دن ہو گئے ماما بھی نہیں لے کر گئے۔" اس کی بات سن کر دعا نے گھڑی کو دیکھا جو کہ چھ بجا رہی تھی۔ اُسے گھر میں ہر جگہ جانے کی اجازت تھی

مگر وہ گھر سے باہر نہیں جاسکتی تھی۔ الماری سے اپنی چادر نکالی اور امامہ کو لے کر وہ باہر نکلی۔ لان کی طرف آئی تو جواد کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ دعا کو دیکھ کر وہ مؤدب انداز میں کھڑا ہوا۔

"اُن سے بات کروادیں" وہ بس اتنا ہی بولی۔ جواد نے کال ملائی مگر اسفندیار میٹنگ میں ہونے کی وجہ سے کال نہیں پک کر رہا تھا اور امامہ نے رونا ڈالا ہوا تھا کہ دعا کو ساتھ لے کر جائے گی۔

"آپ چلیں میرے ساتھ۔ ہم پاس سے کلرز پینٹ لے کر جلد ہی واپس آجائیں گے۔"

دعا کی بات سن کر جواد کشمکش میں مبتلا ہوا۔

"کیا سوچ رہے ہو جواد؟ چلو مجھے کلر کرنے ہیں"

روتے روتے امامہ کو زوار نامی آدمی سے الجھن ہوئی تھی۔

"مگر میم سر۔۔" وہ کیسے اُسے کہیں لے جاتا جبکہ وہ جانتا تھا کہ دعا کو یہاں سے نکلنے کی تو کیا، یہاں سے باہر جانے کی بات کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

"امامہ آپ میرے ساتھ چلیں میں خود ہی دِلا دوں گا کلرز" وہ امامہ کو سمجھانے کی پوری کوشش کر رہا تھا مگر وہ بھی اپنے ماموں کی بھانجی تھی مجال ہے جو کسی کی مان لے۔۔۔ بالآخر جواد امامہ اور دعا کو لے کر گھر سے نکلا تھا اور یہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ وہ قریبی مارکیٹ آئے تھے جب جواد کو اسفند کا فون آیا تھا اور یہاں پر اس کی بس ہوئی تھی۔ اسفندیار اپنے گھر نہ ہو کر بھی گھر ہی موجود ہوتا تھا۔ اس نے جلد از جلد کال اُٹھائی تھی۔

"جی سر" اس سے بات کرتے ہوئے جواد کے پسینے چھوٹے تھے۔

"کہاں دفع ہوئے ہو اِمامہ اور اس لڑکی کو لے کر؟"

حد سے زیادہ غُصے بھری آواز پر جواد کو خود کا سانس خشک ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اُس کی حالت کے پیشِ نظر دعا امامہ کا ہاتھ تھامے اس کی طرف آئی تھی۔

"دس منٹ۔۔ صرف دس منٹ ہیں تمہارے پاس۔ فوراً واپس آؤ جواد سعدی ورنہ آج مجھے اپنے سب سے وفادار کا جنازہ پڑھنا پڑے گا جو میرے لیے ہرگز مشکل نہیں" جواد

کے ہاتھ سے فون لے کر دعا نے یہ بات سنی تھی اور فون کاٹ دیا تھا جبکہ اسفندیار کو جواد کی یہ حرکت زہر لگی تھی۔وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ جواد نے کال کیوں کاٹی؟

"میم پلیز" دعا کے ہاتھ سے وہ فون لینا چاہتا تھا مگر یوں محسوس کر رہا تھا کہ واقعی آج اس کا جنازہ پکا ہے۔

"بولنے دیں۔اِن کا کام ہے بولنا۔امامہ کلرز لے لے تو پھر چلتے ہیں" اُن کو مارکیٹ سے نکلتے نکلتے تقریباً گھنٹہ لگ گیا تھا جبکہ آٹھ بجتے ہی جواد کو اپنے سر کے اوپر موت منڈلاتی نظر آ رہی تھی۔وہ گاڑی میں بیٹھے تب جواد کو سکون کا سانس آیا تھا جب ڈرائیور کے نمبر پر آتی کال دیکھ کر اس نے سر گھُما کر اس سرپھِری کو دیکھا جو کہ معصوم شکل بنائے بیٹھی ہوئی تھی۔ڈرائیور نے جب اُسے سیل پکڑایا اِس سے پہلے وہ بات کرتا دونوں طرف سے بائکس پر موجود لڑکوں نے انھیں گھیر لیا تھا۔گاڑی رُکنے کی وجہ سے امامہ نے اوپر دیکھا تو چیخ ماری جس کی وجہ سے فون پر موجود شخص کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"یہ کون لوگ ہیں جواد؟" آخری الفاظ دعا کے اس کے کانوں میں پڑے تھے اور وہ بھاگتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔لوکیشن آن کرتے اسکو تقریباً دس منٹ لگے ہوں گے ان تک

پہنچنے میں جب گاڑی کو کھڑا دیکھ کر اسفندیار نے سکون کا سانس لیا تھا۔اس کی گاڑی کو آتا دیکھ جواد باہر آیا تھا جبکہ جواد کو سامنے دیکھ کر اسفندیار نے بغیر کوئی لحاظ کیے اس کے منہ پر رکھ کر تھپڑ رسید کیا تھا اور اس کی اِس حرکت پر امامہ دعا سے لپٹ گئ تھی جبکہ سچ کہا جائے تو دعا بھی گھبرا گئی تھی۔وہ بڑھ کر دعا کی طرف آیا تھا جس پر اس نے آنکھیں میچ لی تھیں۔دعا کی سائیڈ کا دروازہ کھولتے اس نے کھینچ کر امامہ کو دعا سے الگ کیا تھا جس پر وہ رونے لگی تھی۔

"اِمامہ" دعا نے فقط یہ ہی لفظ ادا کیا تھا۔ڈرائیور کو گارڈز کی گاڑی میں بِٹھا کر وہ امامہ کو اپنی گاڑی میں بِٹھا چکا تھا جبکہ جواد شرمندگی سے وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

"دعوت نامہ بھیجوں اب کہ گاڑی میں تشریف لاؤ دونوں۔" ان دونوں کو کھڑا دیکھ کر وہ دوبارہ تپ گیا تھا۔دعا پیچھے جبکہ جواد آگے بیٹھا تھا۔گھر پہنچ کر اس نے امامہ کو ملازمہ کے ہمراہ بھیجا تھا جبکہ ان دونوں کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

....

"ہے تمنا ہمیں تمہیں دولہا بنائیں

اپنے ہاتھوں پر مہندی تیرے نام کی لگائیں"

وہ ہاتھوں پر لگی مہندی کو دیکھ کر گنگنا رہی تھی جب پاس سے گزرتی وریشہ نے یہ الفاظ سنے۔

"تمہیں مہندی سے الجھن نہیں ہوتی؟" وریشہ کی بات پر وہ مسکرائی اور نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے تو اتنی الجھن ہوتی ہے کہ بس دیکھنا میں اپنی شادی پر بھی نہیں لگواؤں گی۔" وریشہ کی بات سن کر اس نے ہمم کہا تھا۔ ان دونوں کی پہلے ہی نہیں بنتی تھی۔

"حیدر کہاں ہے؟" حیدر کا ذکر سن کر ژالے نے اس کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"بات سنو تمہیں اس میں نظر کیا آیا؟ نہ کوئی اچھی جاب ہے نہ بیک گراؤنڈ.." وریشہ کی بات پر ژالے کے سامنے مبین کا چہرہ آیا۔

"محبت کرتی ہوں اُن سے۔ یہ ہی کافی ہے میرے لیے کہ وہ بھی بے تحاشہ کرتے ہیں" ژالے نے اطمینان سے کہا۔

"محبت سے پیٹ نہیں بھرتا ژالے بی بی۔ پچھتاؤ گی تم بہت پچھتاؤ گی۔ اس کا گھر، اس کا کمرہ اتنا چھوٹا سا ہے کہ ہمارا لان بھی اتنا چھوٹا نہیں۔ اب بھی وقت ہے بابا کو میں کہہ دوں گی۔

تم کیسے گزارا کروگی؟"ژالے نے وریشہ کی آنکھوں میں دیکھا جہاں غرور و تکبر کا ڈیرہ تھا۔

"وریشہ یوسف زئی میں تمہیں کہہ چکی ہوں کہ مجھے محبت ہے مبین سے۔ ان کا سٹینڈرڈ میرے لیے معنی نہیں رکھتا اور رہی بات فقط دو وقت کی روٹی کی تو اس کا مسئلہ نہیں۔۔ میں پڑھی لکھی ہوں، جاب کرلوں گی اُن کا ہاتھ بٹالوں گی۔"کہتے کہتے اس کی نظر لاؤنج کے مین گیٹ کی طرف پڑی جہاں مبین کھڑا سب سن رہا تھا۔ اس کی نظر پڑتے ہی وہ باہر کی طرف نکل گیا تھا جبکہ ژالے بھاگ کر اس کے پیچھے گئی تھی۔

"مبین۔۔۔ مبین رُکیں"وہ بھاگ کر اس تک آئی تھی جو کہ منہ پھیرے کھڑا تھا۔

"کہیے؟"عجیب قسم کی بے رخی سے کہا گیا تھا۔

"ناراض ہیں آپ؟ ادھر دیکھیں نا میری طرف"

ژالے نے اس کا چہرہ خود کی طرف کِیا تھا۔

"نہیں میں ناراض نہیں ہوں ژالے۔ میں شرمندہ ہوں کہ تمہارے لیے کچھ کر نہیں پایا۔ وریشہ ٹھیک کہتی ہیں آپ پچھتائیں گی مجھ سے نکاح کے بعد۔ میں ویسا سٹینڈرڈ نہیں رکھتا

جیسا آپ ڈیزرو کرتی ہیں۔ سوچ لیں اب بھی "اس کی بات سن کر ژالے نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ اپنے چہرے کے قریب کیا اور پاؤں اُٹھا کر اس کے ماتھے پر لب رکھے جبکہ اس کی یہ حرکت وریشہ اور مبین دونوں کو حیران کر گئی۔

"کوئی پرواہ نہیں مجھے کسی چیز کی۔ بس آپ میسر آجائیں یہ کافی ہے "اس کا لہجہ اس کی آنکھیں مبین کو خود پر رشک ہوا تھا جبکہ کھڑکی سے دیکھتی وریشہ صوفے پر جا بیٹھی تھی اور سوچنے لگی تھی کہ زندگی کیا عجیب شے ہے۔

....

وہ کمرے میں بیٹھا فائلز میں مگن تھا جب کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا کہ اک پل کو تو جواد بھی حیران ہو گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وریشہ یوسف زئی کھڑی اُسے گھور رہی تھی۔

"کیا شکایتیں لگائی ہیں آپ نے میری؟" بہت تمیز سے بدتمیزی کی گئی۔

"کِس کو؟" وہ کنفرم کرنا چاہ رہا تھا کہ کسے شکایتیں لگائی ہیں اس نے۔

"حیدر بھائی کو" وہ تقریباً اُسے گھور کر بولی تھی۔

"میں نے کوئی شکایت نہیں لگائی۔ صرف انھیں بتایا تھا کہ سرمبین کے بارے میں آپ کے خیالات کیا ہیں" اس بات پر وہ سلگ ہی گئی تھی۔

"تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟ میرے معاملوں میں ٹانگ مت اڑایا کرو" وہ انگلی اُٹھاتے اُسے تنبیہہ کر رہی تھی جب جواد نے بغور اس کو دیکھا تھا۔ وہ آج پہلی بار اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"اپنے کمرے میں جائیے وریشہ "کچھ تو تھا اس کے لہجے میں کہ ایک پل کو وریشہ کا دل دھڑکا تھا مگر وہ اگنور کر گئی تھی۔

"یہ میرا گھر ہے۔ آپ ہوتے کون ہیں مجھے یہاں سے نکالنے والے؟" وریشہ نے دوبارہ اس کو دیکھتے کہا۔

"نکال نہیں رہا۔ جانے کا کہہ رہا ہوں۔ جانتا ہوں آپ کا گھر ہے مگر فی الحال حال یہ کمرہ ایک غیر مرد کے استعمال میں ہے اور رات کے اس پہر آپ کا یہاں ہونا بہتر نہیں" اس پر سے نظریں چراتے کہا گیا۔

"نہیں جاؤں گی۔ کیا کر لو گے؟" وہ نجانے کیوں بحث لمبی کر رہی تھی۔

"حیدر صاحب کو مجھ پر آپ سے زیادہ یقین ہے وریشہ۔" ایک بات کہہ کر وہ بہت باتیں سمجھا گیا تھا جبکہ وریشہ پاؤں پٹختی واپس چلی گئی تھی۔

....

رات کے نجانے کونسے پہر اس کی آنکھ کھُلی تو اُسے کمرے میں گھٹن سی محسوس ہوئی۔ وہ اُٹھ کر کھڑکی کی طرف آئی جو کہ نجانے کیوں کھُل ہی نہیں رہی تھی۔ اب کی بار اس کا سانس حد سے زیادہ بند ہونے لگا جب وہ نیچے کی جانب بڑھی۔ پاؤں میں چپل تک نہ پہنی تھی اس نے۔۔

وہ قدم قدم چلتی مین گیٹ کھولتے لان میں آئی جہاں اسفندیار یوسف زئی پہلے سے ہی براجمان تھا۔ وہ کونے میں بیٹھا تھا جس کی وجہ سے دعا اُسے دیکھ نہ سکی تھی۔ وہ کسی سے کال پر بات کر رہا تھا جب دعا کو آتا دیکھ اس نے کال کاٹ دی تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ ننگے پاؤں آکر لان میں گھاس پر بیٹھ گئی ہے جبکہ اس کے پاس دوپٹہ نامی کوئی شے ہی نہیں تھی۔ لمبے بال کھُلے ہوئے کمر پر بکھرے ہوئے تھے جبکہ وہ آسمان کو دیکھے جا رہی تھی جب اُسے اپنا سانس مزید گھُٹتا محسوس ہوا تھا۔ اب کی بار وہ اُٹھ کر ادھر اُدھر چلنے لگی تھی۔

اسفندیار اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔ جب بہت دیر تک اُسے سانس نہ آیا تو چکراتے سر کو تھامتے وہ دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔ اُسے دسمبر کی رات میں پسینے آرہے تھے اسے دیکھ کر وہ اس کی طرف آیا تھا۔

"دعا!" دعا کو خود کے پاس اس کی آواز محسوس ہوئی جبکہ اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ سر اُٹھا کر اُسے دیکھ ہی لے۔ جب بہت دیر تک اس نے جواب نہ دیا تو اسفندیار نے اُس کا ہاتھ تھاما جو بخار کی شدت سے تپ رہا تھا۔

"اتنا بخار؟ تم ٹھیک ہو؟" وہ پریشان ہوا تھا اس نے جواد کو کال کی جو اس نے نہیں اُٹھائی۔

"اُٹھو ہمت کرو۔ میں ہاسپٹل لے جاتا ہوں" بہت ہمت سے سر اُٹھا کر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کیوں نہیں! لڑکی اپنی حالت دیکھو مر جاؤ گی تم"

اسکی حالت کے پیشِ نظر اسفندیار نے کہا۔

"مرنے دیں" دو لفظ کہہ کر اس نے بے جان ہوتا وجود ڈھیلا چھوڑ دیا جبکہ وہ اگر اسفندیار کی گرفت میں نہ ہوتی تو گِر جاتی۔

"لڑکی۔۔۔دعا؟" وہ فوراًا سے لے کر ہاسپٹل بھاگا تھا۔اس کی سانسیں بہت مدھم ہوگئی تھیں۔

"جی سر آپ کال کر رہے تھے؟"جواد کی کال اٹھانے پر اس نے جواد کو کہتے سنا۔

"ہاسپٹل آؤ جلدی"جواد کو آنے کا کہہ کر وہ کال کاٹ گیا تھا تقریباًدس منٹ بعد وہ وہاں تھا۔

"دعا کو کیا ہوا؟"جواد کے پوچھنے پر فون میں مصروف اسفندیار نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"دعا میم!" یہ دو لفظ کہہ کر وہ دوبارہ فون میں مصروف ہو گیا جبکہ ذہن دعا اور جواد کے بارے میں سوچنے لگا۔

"سر! آپ کی مسز بہت ٹینشن میں ہیں۔کوشش کریں ان کی ٹینشن ختم ہو اور دوسرا یہ کہ بی پی بہت لو ہے۔ایسا لگ رہا ہے انھوں نے دو دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔"لفظ مسز پر دونوں حیران ہوئے۔اس نے خود کو کمپوز کِیا۔

"شی اِز ناٹ مائے وائف" یہ لفظ کہتے اس نے ڈاکٹر کو دیکھا تھا۔

"پھر کون ہیں وہ آپ کی؟" ڈاکٹر کے پوچھنے پر وہ خاموش ہو گیا تھا جبکہ ڈاکٹر اسکے جواب کا منتظر تھا۔

"اوکے سو اُن کا سر نیم کیا لکھوں؟" ڈاکٹر کے پوچھنے پر وہ الجھ کر باہر چلا گیا جبکہ جواد کھڑا ڈیٹیلز بتانے لگا۔

....

"ان پیپرز پر سائن کر دو" وہ کمرے میں آیا تو ماہرہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"طلاق کے کاغذات ہیں؟" بہت آرام سے سوال کیا گیا۔

"زبان سنبھال کر بات کیا کرو" اس کی بات پر اُسے گھورتے ہوئے کہا گیا۔

"میں سیریس ہوں عفان وحید۔ مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا، نہ آج، نہ کل اور نہ آئندہ کبھی۔ بس یہ مہینہ گزرے۔ میں اس جھنجھٹ سے آزاد ہوں اور تب مجھے طلاق چاہیے ہو گی۔ نہیں دیں گے تو میں کورٹ میں چلی جاؤں گی" وہ اس کی کڑوی باتوں کو نہایت مشکل سے سہہ گیا تھا مگر اپنے بچے کو جھنجھٹ کہتے سنا تو اس سے رہا نا گیا تھا۔

"بکواس بند۔۔ خبر دار جواب کچھ بھی کہا۔" غصے سے کہتے اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل دیوار میں دے مارا تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے۔ میرا بچہ مجھے دے دینا پھر جہاں مرضی چلی جانا۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں تمہاری" وہ غصے سے باہر چلا گیا تھا جبکہ اس کی آنکھیں پل میں نم ہوئی تھیں۔

"ہاں اب ضرورت ہوگی بھی کیوں؟" وہ سامنے پڑے پیپرز پر سائن کر چکی تھی جس کے مطابق اس کی آدھی جائیداد عفان کے نام ہو چکی تھی۔

رات کے وقت وہ کمرے میں آیا تو ماہرہ جاگ رہی تھی۔ وہ وہیں سے لائبریری چلا گیا۔

اُسے عفان کی غیر موجودگی کھٹک رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی وہ بے شک ناراض رہے مگر اس کے پاس رہے جبکہ عفان نے اسے مکمل اگنور کیا ہوا تھا۔ وہ تھک گیا تھا صفائیاں دے دے کر۔

وہ پانی کا جگ لے کر نیچے آئی تو آخری سیڑھی پر پاؤں رکھتے اس کا بیلنس خراب ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ منہ کے بل گری تھی۔ رات کا وقت ہونے کے سبب کوئی آس پاس نہیں

تھا۔ عون جو کہ باہر سے آرہا تھاماہرہ کو گرا دیکھ کر چیخا تھا جبکہ باقی گھر والے بھی اکھٹے ہوگئے تھے۔ سب اسے ہسپتال لے کر گئے تھے۔ باہر سب بیٹھے پریشان تھے جبکہ اندر ماہرہ کا ٹریٹمنٹ چل رہا تھا۔

"اِن کے ہسبنڈ کون ہیں؟" ڈاکٹر نے باہر آکر پوچھا تھا جس پر عفان آگے آیا تھا۔

"سر یہ پیپرز سائن کر دیں۔ گِرنے کی وجہ سے بچے کی سانسیں بہت مدھم ہیں۔ اگر آپریشن کے درمیان کسی کو کچھ بھی ہوتا ہے ہم زمہ دار نہیں ہوں گے"

عفان پیپرز سائن کر چکا تھا۔ وہ مکمل اپنے بچے کو کھو دینے کا سوچ رہا تھا اور شاید قسمت نے بھی یہ ہی سوچا تھا۔

....

اُسے ڈسچارج کر دیا گیا تو وہ اسفندیار کی گاڑی میں بیٹھ کر گھر آئی تھی۔ جواد الگ گاڑی میں تھا۔ گھر پہنچے تو اس کی اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اُٹھ کر کمرے میں ہی چلی جائے۔ وہ گاڑی سے نکلی بھی نہ تھی جب امامہ بھاگتی ہوئی آئی اور اس سے لپٹ گئی۔

"اِمامہ" اس نے امامہ کو خود سے الگ کیا۔

"امامہ چلیں ہٹیں۔انھیں اندر لے کر جانا ہے" امامہ اسفندیار کے کہنے پر سائیڈ پر ہو گئی جبکہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے آیا۔

"کمرے میں چلی جائیں۔ریسٹ کریں" اس کے کہنے پر دعا وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میرا وہاں دم گھٹتا ہے۔مجھے واپس میرے گھر جانا ہے" نجانے کتنے مہینوں بعد اس نے گھر جانے کا کہا تھا جس پر وہ چپ ہو گیا تھا۔

"مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں نا" وہ کسی بچے کی طرح ضد کر رہی تھی جبکہ وہ دعا کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"اچھا چھوڑ آؤں گا۔ابھی سو جائیں" وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے کمرے تک لے گیا تھا۔

وہ پریشانی میں اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا جبکہ سب گھر والے ماں اور بچے کی سلامتی کی دعا کر رہے تھے جب اچانک دعا قبول ہوئی اور ڈاکٹر کے ہاتھوں میں ننھی منی سی جان دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی۔ عفان کی تو ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کر بچے کو پکڑ لے ہاں مگر اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ ٹھہری نمی دیکھ کر زمرد بیگم نے بچے کو گود میں لیا اور

عفان کو پکڑایا تھا۔اس نے دونوں ہاتھوں سے بچے کو گود میں اُٹھایا تو ایسا لگا کہ جیسے کوئی روئی کا گالہ ہو، چٹا سفید چھوٹا سا، پیارا سا ہاں مگر وہ ہو بہو عفان جیسا تھا۔

"یہ کتنا کیوٹ ہے" اچانک زہرہ کی آواز پر وہ پلٹا تھا۔اسے ایسا لگا تھا جیسے دعا کی آواز ہو۔ دل کی ایک کسک پر وہ نم آنکھوں سے آسمان کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ایک طرف خوشی تھی تو دوسری طرف غم۔

"ماہرہ ٹھیک ہے نا؟"ڈاکٹر سے پوچھتے اس نے اندر لیٹے وجود کو دیکھا جو کہ بے سدھ پڑا تھا۔

"جی بالکل ٹھیک ہیں بس کچھ دیر میں انھیں وارڈ میں شفٹ کر دیں گے"اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کیا نام رکھیں گے اس کا؟"زیرہ نے ننھی سی جان کو پیار کرتے کہا تھا۔

"جن کی اولاد ہے وہ ہی رکھیں گی"عفان نے بیٹھتے ہوئے کہا جس ہر سب مسکرائے تھے۔

"تم لوگ ابھی بھی لڑتے ہو؟"سجاول کی بات پر عفان نے منہ پھُلایا۔

"وہ لڑتی ہیں۔میں تو کچھ کہتا ہی نہیں" پھولے منہ سے کہا گیا جس پر سب ہنسے تھے۔

"ایک بچے کے ابا بن گئے ہو۔ اب تو بچوں والے کام نہ کرو" عفان کے فون پر کال آنے پر وہ بات اَن سُنی کرتے سائیڈ پر ہو گیا تھا۔

....

اس کی حالت اب قدرے بہتر تھی۔ بخار کی شدت بھی کم تھی تب ہی وہ کچن میں کھڑی امامہ کے لیے چپس بنا رہی تھی جبکہ امامہ شیلف پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کچن میں داخل ہوا تو وہ دونوں کسی بات پر کھکھلا کر ہنس رہی تھیں۔ اس کے آتے ہی دونوں خاموش ہو گئیں۔

"بھوت دیکھ لیا ہے کیا؟" امامہ کو پیار کرتے اس نے کہا۔

"آپ بھوت سے کم ہیں کیا؟" وہ ہی دعا ہی کیا جو جواب نہ دے۔

"ڈرا کرو مجھ سے لڑکی" عام سے لہجے میں کہتے وہ بھی وہیں بیٹھ گیا تھا۔

"واقعی آپ سے ڈرنا چاہیے۔ کبھی بھی کسی کی بھی بیٹی کو اُٹھا لیں، اسے زبردستی ساتھ رکھیں یہ تو ڈرنے والی ہی بات ہوئی نا؟" اسکی بات اسفند کے دل کو لگی تھی۔

"صرف تمہیں اُٹھا کر لایا ہوں اور یہ بھی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔" دعا کی بات کا جواب اس نے بڑے تحمل سے دیا تھا۔

"غلطی سدھاریں اور مجھے چھوڑ آئیں واپس" اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

"چھوڑ آؤں گا مگر تمہیں اپنائے گا کون اب؟" اس کی بات پر وہ تلخی سے مسکرائی۔

"کوئی بھی نہیں۔ ایک سال سے بغیر کسی رشتے کے آپ کی دسترس میں رہ رہی ہوں ساری دنیا جانتی ہو گی" اُس کی بات سن کر اسفندیار نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میری دسترس میں نہیں ہیں آپ" دعا کے قریب آتے اس نے کہا تھا۔

"اپنے کمرے میں جائیں امامہ۔" اس نے امامہ کو دیکھتے کہا جس پر وہ کچن سے بھاگ گئی تھی۔

"جی تو میں کہہ رہا تھا کہ "مکمل طور پر دعا کو نظر میں رکھتے اسفندیار نے بات شروع کی تھی۔

"پلیز" وہ اس سے دور ہوئی تھی جب وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

"دسترس کے معنی بھی نہیں جانتی آپ ابھی" دعا کا سانس بند ہوا تھا اسفندیار کی بات پر۔

"مجھے چھوڑ دیں۔۔" نم آنکھوں سے کہتے اس نے اسفند کو بے بس کیا تھا۔

"چھوڑ دوں گا" بے ساختہ کہا گیا تھا۔

"کب ؟" آزادی کو ترستے پرندے کی طرح اس نے پوچھا تھا۔

"اس گھر سے یہاں کے لوگوں سے ذرا بھی انسیت نہیں ہوئی آپ کو؟" نجانے وہ کیا سننا چاہتا تھا۔ وہ جو سننا چاہتا تھا وہ دعا کہنا نہیں چاہتی تھی۔

"نہیں" وہ نفی میں کہتی وہاں سے جانے لگی تھی۔

"سامان پیک کرلیں۔ ہم کل پاکستان جارہے ہیں" اپنی کہہ کر وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔

اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کل وہ ایک عزیز ترین چیز کھونے والا ہے۔ وہ دعا کو لے آیا تھا مگر اس نے آج تک اسے نقصان نہیں پہنچایا تھا بس ایک قیدی بنا کر رکھا ہوا تھا۔

....

"حیدر تمہیں کوئی بھی لڑکی پسند کیوں نہیں آتی ؟" حیدر جو کہ کمپیوٹر ہر بزی تھا ماں کی بات کو اگنور کر گیا تھا۔

"حیدر میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں ؟" وہ اب بھی چپ رہا تھا۔

"مما دیکھ لیں آپ جو اچھی لگے ہاں کر دیں" اس نے خود کو وقت پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ دعا کو چاہ کر بھی بھول نہ سکا تھا اور یہ اس کا سب سے بڑا نقصان تھا۔

"تم اس کو بھول کیوں نہیں جاتے؟" حیدر اس سوال پر ہنسا تھا۔

"وہ مجھے یاد ہی کب ہے ماں؟" اپنی ماں سے کہتا وہ باہر چلا گیا تھا۔ سب کی زندگیوں میں نئے موڑ آتے ہیں اس کی زندگی میں بھی آ رہا تھا۔

....

اگلی صبح وہ ضرورت سے زیادہ خوش تھی۔ اس نے مکمل پیکنگ کر لی تھی۔ اسفندیار لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا جب امامہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

"ہم پاکستان جا رہے ہیں؟" امامہ کی بات پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کیوں؟" نیا سوال کیا گیا تھا۔

"دعا کو ان کے گھر چھوڑنے" یہ بات اس نے آہستہ آواز میں کہی تھی جسے سن کر امامہ اداس ہوئی تھی۔ اتنے میں دعا سیڑھیاں اترتی نیچے آئی تھی۔ وہ اس وقت پرپل کلر کے سٹائلش عبایہ میں ملبوس تھی جبکہ دوپٹہ اس نے ماڈرن طریقے سے لیا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کے لمبے بال نمایاں ہو رہے تھے۔

"چلیں؟" اس نے آتے ہی کہا تھا۔

"یاتو یہ چینج کر آئیں یا پھر اس کی بے حرمتی مت کریں۔ پردہ کرنا ہے تو ٹھیک طرح کریں ورنہ مت کریں" اسکی بات سن کر اس نے اسفندیار کے لہجے پر غور کیا جو کہ ہر احساس سے عاری تھا۔

"مجھے دوپٹہ کرنا نہیں آتا۔" اس کی بات سن کر اسفند اس کے قریب آیا تھا۔ اس کے سارے بال جوڑے کی شکل میں مقید کر کے اس نے لپیٹ دیے تھے جبکہ سٹالر اس نے ایسے اوڑھایا تھا کہ وہ مکمل ایک حالے میں تھی۔ اس قدر خوبصورتی اسفندیار نے پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔ وہ واقعی چاہے جانے کے لائق تھی۔

تقریباً سات گھنٹوں بعد وہ پاکستان میں تھے۔ پاکستان میں اس وقت رات ہو رہی تھی جب وہ ائیرپورٹ پر آئے تھے۔

"میں آپ کو کل چھوڑ آؤں آپ کے گھر؟" دعا سے پوچھتے اسفندیار نے اسے دیکھا جو کہ امامہ کو پیار کر رہی تھی۔

"ابھی جانا ہے" اس کی بات سن کر گاڑی اس نے وحید ہاؤس کی طرف موڑی تھی۔ آہستہ آہستہ گھر قریب آ رہا تھا اور دعا کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں۔ وحید ہاؤس کے باہر پہنچ کر

دعا فوراً گاڑی سے اتری تھی۔ ایک سال بعد وہ اپنے گھر واپس آئی تھی، وہ رو رہی تھی۔ دعا کے ساتھ ہی امامہ بھی باہر آئی تھی جو کہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے دعا کے آنسو صاف کر رہی تھی۔

"اسفندیار؟" جب بہت دیر تک وہ گاڑی سے نہ نکلا تب دعا نے اسے آواز دی تھی۔

"ساتھ آئیں میرے" نجانے کیوں مگر وہ اُسے اپنے ساتھ آنے کا کہہ رہی تھی۔

"نہیں آپ جائیں۔ آج سے آپ آزاد ہیں میری طرف سے" اس کی آنکھیں سرخ تھیں، بے تحاشہ سرخ۔

اس کی بات سن کر وہ اندر چلی گئی تھی جبکہ امامہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

....

گھر کے اندر داخل ہوتے دعا رو رہی تھی۔ وہ اندر آئی لاؤنج میں قدم رکھا تو کسی ننھی سی جان کی رونے کی آواز آئی۔

وہ آگے بڑھی تو صوفے پر ننھی منی سی جان لیٹی ہوئی تھی جبکہ سب لوگوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

"اماں "ماں کو دیکھتے وہ ان کی طرف آئی تھی جو کہ اب حیرانگی سے کھڑی اس کے ہونے کا یقین کر رہیں تھیں۔

"تم !!!! کیسے ؟" بہت سے سوالات تھے مگر فی الحال سب کے لیے یہ کافی تھا کہ سال بعد دوا ان کے پاس واپس آگئی تھی۔

....

دعا کو گھر واپس آئے ہفتہ ہو گیا تھا۔۔اسفندیار نے مڑ کر اسکی خبر نہ لی تھی نہ ہی دعا نے گوارا کیا کہ اس کا حال ہی پوچھ لے جب ایک روز حیدر صاحب تشریف لائے اور اسے ساتھ لے گئے تھے۔

ہاتھ تو لگا کر دِکھائیں مجھے ذرا؟" عجیب قسم کی دیدہ دلیری سے کہا گیا تھا کہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے دونوں نفوس نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی کو روکا تھا جبکہ ساتھ بیٹھے شخص نے گہری نیلی آنکھیں اُٹھا کر اس چھوٹی سی لڑکی کے نقاب میں چھپے چہرے کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

آگے بیٹھے اس خوبرو شخص نے سوالیہ نظروں سے اس لڑکی کو دیکھا جو مکمل اس کے رحم و کرم پر تھی۔

"مجھے میرے گھر چھوڑ کر آئیں "مزید حکم دیا گیا تھا۔

"نک چڑی "شاید پیچھے بیٹھے کسی ایک شخص کو اس کی عادت نہیں بھائی تھی جس کے سبب اس کے منہ سے سنہری الفاظ ادا ہونے پر اس لڑکی نے گھوم کر ان دونوں نفوس کو ایسے گھورا جیسے ابھی کھا جائے گی ان کو۔۔ اس کے گھورنے کا انداز ایسا تھا کہ دونوں لڑکے گاڑی سے ہی اتر گئے تھے۔

"گھر چھوڑ کر آئیں مجھے "پلکوں کو بار بار اٹھاتے گِراتے وہ یہی کہہ سکی تھی جب ساتھ بیٹھے شخص نے ہاتھ بڑھا کر اس کا نقاب ہٹانا چاہا تھا مگر وہ اپنے اصولوں کی پکی تھی۔ کہاں وہ اس شہزادے کو اپنا مکھڑا دکھا دیتی جبکہ وہ اس پر اپنا ہر حق کھو بیٹھا تھا

"محترم حیدر صاحب کسی گمان میں مت رہیے گا کہ دعا وحید اب آپ سے منسلک ہونا چاہے گی "بڑی بڑی آنکھیں جو کہ نقاب میں نظر آ رہی تھیں، ان میں تنبیہہ واضح تھی۔

"میں تمہیں چاہتا ہوں دعا، محبت کرتا ہوں" حیدر کی بات پر وہ بے ساختہ ہنسی اور ہنستی چلی گئی تھی۔

"حیدر صاحب! میں ایک سال سے زیادہ اسفندیار کے پاس رہی ہوں وہ بھی بغیر کسی رشتے کے۔ سمجھ تو رہے ہوں گے کہ اسفندیار جیسا شخص اگر مجھے آپ سب کی موجودگی میں اٹھا لے جا سکتا ہے تو وہ کبھی بھی کچھ بھی کر سکتا ہے۔۔۔اب بتائیں کرتے ہیں محبت؟" دعا کی بات پر حیدر نے شرمندگی سے اسے دیکھا تھا۔

"نہیں کر سکتے نا شادی؟" دعا یہ کہہ کر بھی مسکرائی تھی اور گاڑی سے باہر چلی گئی تھی۔

بارش بہت تیز ہونے والی تھی جب وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی کہ ایک اور گاڑی اس کے سامنے آکر رکی تھی۔وہ پیچھے ہوئی تھی جب آنے والے شخص کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

"کیوں گئی تھیں اس کے پاس محبت کی بھیک مانگنے؟" اسفندیار نے اسے خود سے قریب کرتے بے۔ساختہ کہا تھا۔

"محبت کی بھیک مانگنے نہیں گئی تھی۔ ان کی محبت کا امتحان لینے گئی تھی۔" کسی بات کا جواب نہیں دینے۔ چاہنے کے باوجود اس نے صفائی دی تھی۔ بارش کی موٹی موٹی بوندیں پڑنا شروع ہو گئی تھیں۔

"کیا مِلا یہ سب کر کے ؟" اسفند نے اُسے بغور دیکھا تھا۔

"جواب" وہ شاید ہنسی تھی جبکہ اسفند نے نقاب سے جھانکتی آنکھوں کو بغور دیکھا جہاں ہلکی ہلکی نمی بھی تھی۔

"اِس نمی کی وجہ میں ہوں نا؟" وہ پوچھ بیٹھا تھا جبکہ دعا کا جی چاہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر کہے کہ ہاں تم ہی ہو جسکی وجہ سے آج مجھے سب کو جواب دینا پڑ رہا ہے۔

"کیا فرق پڑتا؟ جو ہونا تھا ہو گیا۔ چلتی ہوں میں"

وہ جانے لگی جب اسفندیار نے اس کی کلائی تھامی تھی۔

"شادی کریں گی مجھ سے ؟" وہ ٹھہرا سٹریٹ فارورڈ بندہ۔۔۔ جانتا تھا کہ یہ موقع نہیں کسی بھی چیز کا جبکہ دعا اس کی بات ہراف کر کے رہ گئی تھی۔

"مزید کچھ رہ گیا ہے برباد کرنے کو جو اب یہ شادی لے آئے ہیں آپ؟" وہ خاموشی توڑ کر بولی۔

"سب ٹھیک کرنا چاہتا ہوں۔" آرام سے جواب دیا گیا۔

"کریں ٹھیک۔ کچھ کرنا ہی ہے تو میری زندگی سے چلے جائیں بس" وہ غصے میں کہہ گئی تھی۔

"ٹھیک" وہ یہ کہتا گاڑی میں بیٹھ گیا تھا جبکہ تیز بارش میں وہ چلنے لگی تھی۔

"گاڑی میں بیٹھیں، چھوڑ آتا ہوں" گاڑی پھر سے اس کے آگے لائی گئی۔

"میری بات سمجھ نہیں آ رہی آپ کو؟" غصے سے کہتے اس نے اسفند کو دیکھا جو بے ساختہ ہنسا تھا۔

"آپ سے نو سال بڑا ہوں میں۔ جانتی ہیں نا مجھے کہ میں اپنی بات کیسے منواتا ہوں؟ ٹائم دے رہا ہوں۔ جمعے کو نکاح ہو گا بس اس کے بعد رخصتی" نکاح کا کہتے ہی اس نے دعا کا گاڑی میں بٹھایا تھا جبکہ وہ اس سے بحث کرنے کے بجائے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا گئی تھی۔

....

جمعے کا دن بھی آگیا تھا۔ چاہتے ناچاہتے ہوئے بھی سب نے ہاں کر دی تھی۔ کسی کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ سب جانتے تھے کہ دعا ایک سال سے لاپتا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے نکاح بھی ہو گیا تھا۔ ایک طرح سے یہ سب صحیح ہوا تھا کیونکہ اب شاید ہی کوئی اس کا ہاتھ تھامنے آتا۔

رہی بات اسفندیار کی تو اس میں ایسا کوئی عیب نہ تھا کہ اس رشتے سے انکار کر دیا جاتا۔ رخصتی کا شور اُٹھا تو اسے ایک ڈر سا لگ رہا تھا۔ رخصتی کا سنتے ہی دعا نے رونا شروع کر دیا تھا اور یہ سن کر اسفندیار برائیڈل روم کی طرف آیا تھا جہاں زہرہ اور ماہرہ اسے چپ کروا رہی تھیں۔ اُسے دیکھ کر وہ دونوں کمرے سے نکل گئی تھیں جبکہ اسفندیار کو دیکھ کر وہ مزید نروس ہوئی تھی۔

"دعا" اسفندیار کو دیکھ کر وہ منہ پھیر گئی تھی جبکہ وہ اس کے پاس آکر گھٹنوں پر بیٹھا تھا۔ اُسے خود کے پاس محسوس کرتے دعا کو الجھن ہوئی تھی۔

"اِدھر دیکھیں" اسفندیار کے کہنے پر اس نے چہرہ موڑا جبکہ ایک پل کو تو اسفندیار خود حیران رہ گیا۔ وہ کس قدر پیاری لگ رہی تھی یہ بات تو وہ خود بھی نہیں جانتی ہو گی۔

"حسین" دعا کے چہرے پر سجی نتھلی کو ہاتھ سے چھوتے اس نے کہا جس پر دعا نے چہرہ پیچھے کِیا تھا۔

"مجھے بتایا گیا کہ آپ ڈر رہی ہیں۔ آج کی رات تو ویسے بھی آپ کو ڈرنا ہی چاہیے دعا اسفندیار۔ آپ کو بھی یہ معلوم نہیں کہ آپ کس قدر خوبصورت ہیں۔ یہ خوبصورتی میرے ضبط کا امتحان لے گی"

معنی خیز باتوں کو برداشت کرتے دعا کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

"رخصتی بعد میں کروالیں گے نا" کسی بچے کی طرح معصومیت سے کہتے اس نے بات منوانی چاہی تھی۔

"رخصتی آج ہی ہوگی دعا۔" اسفندیار نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور پھر پتا کیا ہوا تھا؟ ایک شہزادہ اپنی شہزادی کو لے گیا تھا ہمیشہ کے لیے۔

....

وہ رخصتی کے بعد گھر آئے تو عفان کی غیر موجودگی ماہرہ کو کھٹک رہی تھی۔ وہ اپنے بیٹے امان کو سلا کر ادھر ادھر ٹہل رہی تھی جب اس نے گھڑی پر بجتے ایک کو دیکھا۔ اس نے

ٹینشن کی وجہ سے اب تک کپڑے بھی نہ بدلے تھے۔ اس نے کال ملائی تو نمبر بزی کر دیا گیا۔ کوئی دو بجے کے قریب گاڑی گھر میں آ کر رکی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی ننگے پاؤں نیچے آئی تھی۔

"کہاں تھے آپ؟" لہجے میں سختی در آئی تھی مگر ٹینشن ہنوز قائم تھی۔ جب اچانک گاڑی میں سے ایک وجود نکلا تھا جسے دیکھ کر ماہرہ گنگ رہ گئی تھی۔

"جازیہ" اس کے لبوں سے فقط یہ ہی ادا ہوا تھا جبکہ جازیہ اسے دیکھ کر اس کی طرف بڑھی تھی۔

"تم جازیہ ہو نا؟ ہاں تم جازیہ ہی ہو۔" وہ یہ کہتے کہتے رو پڑی تھی۔ وہ بالکل ماہرہ کی کاپی تھی۔ ویسے ہی بال، ویسی ہی آنکھیں اور پھر دونوں بہنیں خوب روئی تھیں۔

سب گلے شکوے دھُل گئے تھے۔ سب کچھ کلیئر تھا جبکہ ماہرہ کے دل میں کہیں نا کہیں شرمندگی تھی۔ اس کی جائیداد میں سے رقم صرف جازیہ کو آزاد کروانے کے لیے لی گئی تھی۔ سب کے کمروں میں جانے کے بعد وہ وہیں لاؤنج میں بیٹھی رہی تھی جبکہ اس میں ہمت نہ تھی کہ عفان کو فیس کرتی جب اسے امان کے رونے کی آواز آئی۔ وہ کمرے میں

آئی تو عفان اسے چپ کروا رہا تھا جو کہ چپ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اس کو آتا دیکھ کر عفان نے امان کو بیڈ پر لِٹایا تھا اور ماہرہ نے اُسے اُٹھا کر چپ کروایا۔ اُسے چپ کروانے کے بعد ماہرہ نے سر بیڈ کی پشت سے لگایا تھا جب ایک آنسو ٹوٹ کر اس کے گال پر گرا تھا۔ اس نے عفان کے ساتھ کتنا سخت رویہ رکھا یہ سوچ سوچ کر ہی اس کی آنکھوں سے لاتعداد آنسو گِرے اور گِرتے چلے گئے تھے۔

عفان جو کہ واشروم سے نکلا شیشے میں اُسے دیکھ رہا تھا۔

"اب رونے کی وجہ؟" وہ آئینے سے ہی دیکھتا پوچھ رہا تھا۔

"وجوہات بہت ہوتی ہیں عفان وحید۔" وہ یہ کہتی کمرے سے نکل جانا چاہتی تھی جب عفان نے اسے روکا تھا۔

"کیوں ڈسٹرب ہو؟" نرمی سے پوچھنے پر اسے عفان پر ڈھیروں پیار آیا تھا اور خود وہ شرمندگی کے گڑھے میں گرتی چلی گئی تھی۔

"معاف کر دیں مجھے" اس کے سینے پر سر رکھتی وہ کہہ رہی تھی جبکہ عفان نے ہر خلش مٹاتے اسے قبول کر لیا تھا۔ سب ٹھیک ہو گیا تھا اور ہو تا چلا گیا تھا۔ غم ہمیشہ نہیں رہتے، نہ ہی خوشی تا عمر رہتی ہے۔

کہانی کا اختتام ہوا تو یوں ہوا کہ قسمت بھی کھڑی مسکرانے لگی۔ سب ٹھیک ہو جاتا ہے، زخم بھر جاتے ہیں، زخموں پر مرہم بھی لگا دیے جاتے ہیں بس کبھی کبھی وہ نہیں ہو تا تو ہم چاہتے ہیں۔ کہانی بدل دی جاتی ہے کردار وہی رہتے ہیں۔

ختم شد